ماہنامہ

حکمت بالغہ

اکتوبر 2011

مدیر: انجینئر مختار حسین فاروقی

قرآن اکیڈمی

جھنگ پاکستان

فون اور فیکس:- 0092-47-77628261

ای میل:hikmabaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ:

http://www.hikmatbaalgha.com

http://www.hamditabligh.net

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

سورۃ الحاقہ (69) آیات 38-52

اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِمَا تُبۡصِرُوۡنَ O وَ مَا لَا تُبۡصِرُوۡنَ O

تو ہم کو قسم ہے

ان چیزوں کی جو تم کو نظر آتی ہیں اور ان کی جو نظر نہیں آتیں

اِنَّہٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ کَرِیۡمٍ O

کہ یہ (قرآن) فرشتہ عالی مقام کی زبان کا پیغام ہے

وَ مَا ہُوَ بِقَوۡلِ شَاعِرٍ قَلِیۡلًا مَّا تُؤۡمِنُوۡنَ O

اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں۔ مگر تم بہت ہی کم لوگ ایمان لاتے ہو

وَ لَا بِقَوۡلِ کَاہِنٍ قَلِیۡلًا مَّا تَذَکَّرُوۡنَ O

اور نہ کسی کاہن کے مزخرفات ہیں لیکن تم لوگ بہت ہی کم فکر کرتے ہو

تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ O

(یہ تو) پروردگار عالم کا اُتارا ہوا ہے

وَ لَوۡ تَقَوَّلَ عَلَیۡنَا بَعۡضَ الۡاَقَاوِیۡلِ O

اگر یہ پیغمبر ہماری نسبت کوئی بات جھوٹ بنالاتے

لَاَخَذۡنَا مِنۡہُ بِالۡیَمِیۡنِ O

تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے

ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ O

پھر ان کی رگِ گردن کاٹ ڈالتے

فَمَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ O

پھر تم میں سے کوئی (ہمیں) اس سے روکنے والا نہ ہوتا

وَ اِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ O

اور یہ (کتاب) تو پرہیزگاروں کے لئے نصیحت ہے

وَ اِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ O

اور ہم جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض اس کو جھٹلانے والے ہیں

وَ اِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ O

اور یہ کافروں کے لیے (موجب) حسرت ہے

وَ اِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ O

اور کچھ شک نہیں کہ یہ برحق قابل یقین ہے

فَسَبِّحْ بِسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ O

سو تم اپنے پروردگار عزوجل کے نام کی تنزیہ کرتے رہو

صدق اللّٰہ العظیم

حرفِ آرزُو

انجینئر مختار فاروقی

چند ہفتے قبل (اگست میں) کراچی کے جو حالات تھے وہ اہالیان پاکستان کے سامنے تھے اور اب ـــــــ سپریم کورٹ کے سوموٹو اقدام اور دو عشرے کراچی میں حالات سے متعلق کیس کی سماعت کے بعد جو امن وامان بحال ہوا ہے نیز ـــــــ اس خیر خواہی کے جذبے کی کوکھ سے سندھ کے سابق وزیر داخلہ ذوالفقار مرزا کے انکشافات برآمد ہو گئے ہیں۔ اس سے ہمارے دوست نما دشمنوں کی زہریلی اور ناپاک سازشوں کا تار پود بکھر گیا ہے اور ملکی سیاست کے کئی جانے پہچانے چہرے اب عوام صحیح پہچاننے لگے ہیں۔

ہمارے موجودہ سیاسی معاشی اور سماجی نظام کا جو سیٹ اپ ہے وہ ہمارے مجموعی قومی رویہ یا وفاقی حکومت کے عدلیہ سے کشاکش اور مقابلہ کے رویے سے ظاہر ہے۔ گزشتہ دو سالوں میں کیے گئے سپریم کورٹ کے درجن بھر سے زائد قومی سطح کے فیصلوں پر عمل درآمد نہیں ہو سکا۔ جس سے وطن عزیز کے حالات دگرگوں ہیں اور ملک غیر مستحکم ہوتا جا رہا ہے۔

ہماری دلی آرزو ہے کہ ہم کراچی کے حالات سے سبق سیکھ کر اسے بطور مثال سامنے رکھیں اور دعا کریں نیز ممکنہ حد ہر ذمہ دار شہری جدوجہد کرے کہ

ـــــــ کاش ـــــــ

☆ ہمارے ملک میں آئین کی عملداری قائم ہو۔

☆ ہماری عدالتیں آزاد اور نظریۂ پاکستان اور آئین کے اندر فیصلے کر رہی ہوں۔

☆ ملکی معاملات میں عالمی قوتوں کی مداخلت ختم کرنے کیلئے ہر شخص اپنا کردار ادا کرے اور ہر شخص یہ تکیہ کلام بنائے اور دن میں بالارادہ یہ الفاظ اپنی گفتگو میں بار بار استعمال کرے کہ 'ہم کوئی امریکہ کے غلام ہیں'، 'ہم کوئی امریکہ کے ماتحت ہیں' وغیرہ تا کہ ہماری عزت نفس بحال ہو۔

☆ اس ملک میں چھوٹے بڑے، غریب امیر، کالے گورے، حاکم محکوم اور HAVES اور HAVE NOTS کی تقسیم ختم کر دی جائے۔ مساوات ہو اور قانون سب کیلئے برابر ہو۔

☆ قومی وسائل کی نائب قاصد سے لے کر وزیر اعظم اور صدر مملکت تک لوٹ کھسوٹ، قتل و غارت اور لاقانونیت ختم ہو، معاشرتی امن اور عدل اجتماعی قائم کیا جائے تا کہ رزق سب کے لیے ہو، رزق کمانے کے مواقع سب کے یکساں ہوں اور ملک میں کوئی بھوکا نہ سوئے۔ زکوٰۃ اور عشر کا نظام قائم کر کے کفالت عامہ کا اہتمام کیا جائے۔ سودی نظام کو ملکی آئین کے مطابق ختم کر دیا جائے۔ بھتہ، سٹہ، جواء ختم ہو ملکی سود خوروں اور عالمی ساہوکاروں کو سود دینے سے صاف انکار کر دیا جائے تا کہ ملکی معیشت ترقی کر سکے۔

☆ سیاسی سطح پر الیکشن سے چودھراہٹ، جاگیرداری، ذات، برادری ازم، اور حیثیت کا عمل دخل ختم کر دیا جائے۔ الیکشن اخراجات پر قدغن لگائی جائے۔ جمہوری اقدار کو فروغ دیا جائے اور عوامی حاکمیت کے تصور کو رڈ کرتے ہوئے صرف حکمرانوں اور عوامی نمائندوں کے چناؤ کے لیے جمہوریت کا راستہ اپنانے کا اہتمام کیا جائے۔

☆ عدالتی فیصلوں پر عمل درآمد کو یقینی بنایا جائے۔

☆ ملکی آئین کے مطابق ـــــــ تمام ملکی قوانین کو سوموٹو اقدام کے ذریعے تمام مصنوعی اور بد دیانتی پر مبنی رکاوٹیں دور کر کے اسلامی بنا دیا جائے تا کہ قانون کے اندر موجود ظلم اور ناانصافی اور غریب امیر کی تمیز کو ختم کیا جا سکے۔

اگر......ایسا ممکن ہو سکے

تو یقیناً ملک پاکستان اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکتا ہے نظریہ پاکستان دوبارہ ایک زندہ حقیقت بن کر یہ ملک جدید اسلامی جمہوری فلاحی ریاست بن سکتا ہے۔ آمین یارب العالمین

صہیونیّت آخری باب

دورِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بعد

اُمت مسلمہ......اور......صہیونیت

آمنے سامنے......اور صہیونیت کا انجام

انجینئر مختار فاروقی

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرار بولہبی

کے مصداق اس دنیا میں تخلیق آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک خیر وشر کی ایک جنگ جاری ہے مخلوقات میں سے 'جن' اور 'انسان' دو ایسی مخلوقات ہیں جو 'صاحب ارادہ' ہیں اور اسی لئے ان مخلوقات کا آخرت میں حساب بھی ہے اور سزا و جزا بھی۔ سورۃ الرحمٰن میں ایک ہی آیت فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ 31 مرتبہ آئی ہے اور اس میں 'تُکَذِّبٰنِ' تثنیہ کا جو صیغہ آیا ہے وہ مفسرین کے نزدیک جنوں اور انسانوں کے لئے ہے۔

یہ خیر وشر کی کشمکش یا صحیح تر الفاظ میں کشاکش اور جنگ تاریخ انسانی میں کبھی سرد جنگ (COLD-WAR) کی شکل اختیار کر لیتی رہی ہے اور کبھی کبھی یہ سلگتی ہوئی دشمنی بھڑک کر آگ کے آلاؤ کی صورت میں تباہی کا موجب بنی ہے یعنی سرد جنگ 'گرم جنگ' میں بدل جاتی رہی ہے۔ شر کا نمائندہ اصلاً ابلیس یا شیطان رجیم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے خود انسانیت کے آزمانے کے لئے قیامت تک کے لئے مہلت دی ہے تاکہ اہل حق کے لئے آزمائشوں کے میدان سجتے رہیں اور واقعی حق پرست اور خدا پرست انسان (اور جن) ان آزمائشوں سے نبرد آزما ہو کر سرخرو ہوتے رہیں اور شیطان اور اس کے کارندے خائب و خاسر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اسباب وعلل کا ایسا سلسلہ پیدا فرما دیا ہے کہ اہل حق اور اہل باطل کی یہ کشاکش عالم اسباب میں عام انسانی سطح پر بھی بڑی

منطقی نظر آتی ہے شیطان کے ایجنٹ جنوں میں بھی ہیں اور انسانوں میں بھی 'مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاس' کے قرآنی الفاظ اس کے شاہد عادل ہیں۔

اہل علم میں سے جن حضرات نے بھی تاریخ انبیاء علیہم السلام پر نظر ڈالی ہے وہ جانتے ہیں کہ جب کسی معاشرے میں شر پھیلا، شرک عام ہوا اور اس کے نتیجے میں ظلم، ناانصافی، بے حیائی اور اعلیٰ انسانی اقدار ختم ہونے لگیں تو مشیت ایزدی نے انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے۔ جب ان مقدس نبیوں نے دعوت حق دی اور شریر اور شیطان صفت اہل باطل نے 'حق' کے خلاف ایکا کر لیا اور ہر نبی علیہ السلام کے زمانے میں اسی معاشرے میں سب سے برا، چھٹا ہوا، بدمعاش، بے حیاء، لٹیرا اور ظالم شخص 'نبی علیہ السلام' کا مخالف بن کر کھڑا ہو گیا۔ دوسرے الفاظ میں حق و باطل میں معرکہ آرائی کا میدان گرم ہو گیا۔

نسل انسانی جب تک عہد طفولیت میں تھی انبیاء کرام علیہم السلام بھی علاقائی طور پر الگ الگ آتے رہے اور یوں شیطان کی ذرّیت بھی الگ الگ خطوں میں سرگرم ہو کر پروان چڑھتی رہی اور بالآخر عذاب الٰہی کا شکار ہوتی رہی تا آنکہ ـــــــ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد ساز دور میں جبکہ انسان عالمی رابطوں کے عہد میں قدم رکھ رہا تھا اور بڑی بڑی سلطنتیں اور بادشاہیں وجود میں آ رہی تھی جن کا طویل دورِ حکمرانی اور اس کے ساتھ آسمانی ہدایت سے دوری دونوں مل کر برائی کے 'مبادیؤ' کی صورت اختیار کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ایک طرف نبوت و رسالت کا پاکیزہ سلسلہ ایک ہی خاندان ـــــــ 'حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں مختص کرنے کا عہد آفریں فیصلہ فرمایا۔ اہل علم جانتے ہیں کہ اس ہمہ گیر فیصلے کے تاریخ انسانی پر کتنے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ اس عہد آفریں فیصلے سے اہل حق درجہ بدرجہ ایک ہی علاقے نسل اور ماحول میں ترقی و تکمیل کی طرف سفر کر کے ایک انفرادیت سے اجتماعیت یعنی فرد سے جماعت اور 'حزب' کی صورت اختیار کرتے چلے گئے۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو اولاد چلی وہ فلسطین اور اس کے گرد و نواح میں آباد رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک سارے پیغمبر فلسطین میں ہی آئے۔ جبکہ مکہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی

اولاد میں 2500 سال تک کوئی نبی نہیں آیا۔ یہ نیرنگی قدرت کا کرشمہ سمجھئے یا بنی اسرائیل کے ایک گروہ کی بگڑی ہوئی نفسیات کا ثبوت کہ علوم انبیاء علیہم السلام اور علم وحی کے خلاء کے زمانے میں بگڑنا تو چاہئے تھا بنی اسماعیل علیہ السلام کو کہ وہ 25 صدیاں آسمانی رہنمائی سے محروم رہے مگر ——— شیطان نے مورچہ لگا کر حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد کا ایک بڑا حصہ چند ہی صدیوں میں استدراج کے مرحلہ سے گزار کر 'حزب الشیطان' کے روپ میں نمایاں کر دیا۔

تاریخ انسانی میں بنی اسرائیل کے اس بگڑے ہوئے گروہ جس کو اپنے نظریات کی بنیاد پر یہاں 'صہیونیت' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اس کی تاریخ میں تین واقعات (EVENTS) ایسے ہیں کہ اُن کے بعد کی تاریخ کا رُخ ایک خاص ڈھب پر پڑ گیا۔

(1) صہیونیت کے ابتدائی گُرو (RING LEADERS) کا اپنی ہی قوم کی طرف مبعوث ہونے والے پیغمبروں (علیہم السلام) کے قتل کا فیصلہ اور اس روش پر کمال ڈھٹائی کے ساتھ دس بارہ صدیوں کاربند رہنا۔

(2) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ایک ابلیس کے پرستار گروہ کا ہتک آمیز رویہ اور اپنے تئیں ان کو سولی چڑھا دینے کا اہتمام کر دیا۔ جس کے نتیجے میں بنی اسرائیل کو فلسطین سے نکال دیا گیا اور یوں وہ ساری دنیا میں پھیل گئے۔ یہ ان کے بقول ان کا دورِ انتشار ہے اس دور میں وہ دنیا کے تمام معروف علمی، تہذیبی اور ثقافتی مراکز میں جا کر آباد ہوئے۔

(3) اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہود کی طرف سے حضرت محمد ﷺ کی مخالفت اور جنگوں کے باوجود جلاوطنی کا فیصلہ ——— کہ جس سے یہ اُمت مسلمہ کے اہل حق گروہ کے مقابلے میں اہل باطل کا روپ دھار گئے اور ساری دنیا کے خبیث اور شیطان صفت ہم خیال لوگوں کو بھی ساتھ ملا کر اُمت مسلمہ کے خلاف صف آرا کرنے میں کامیاب ہو گئے اور یہ سلسلہ دورِ نبوی ﷺ کے بعد سے آج تک جاری ہے۔

صہیونیت نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ بالعموم ناقدری، نافرمانی، ہتک عزت اور توہین کا معاملہ کیا۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو کہ اللہ کے ایک جلیل القدر رسول (علیہ السلام) تھے ان کو اپنے مذموم مقاصد کی راہ کا (بھاری خدائی) پتھر سمجھ کر ہٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا

ایک خوفناک منصوبہ بنا کر ان کو مصلوب کرانا چاہا۔ مگر اللہ تعالیٰ کے اپنے فیصلے ہیں اللہ کی سنت اس معنی میں یہ ہے (جو کہ قرآن پاک میں درج ہے اور سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات کا بھی حصہ تھی) کہ نبی تو قتل بھی ہوئے مگر رسول ہمیشہ غالب رہے کبھی مغلوب نہیں ہوئے۔ پھر نبی علیہ السلام کے قتل پر بھی قوم پر تباہی آئی مگر رسول علیہ السلام (جو کہ اللہ کی برہان اور بینہ ہوتے تھے) پر ایمان نہ لانا بھی جرم عظیم تھا کہ قومیں تباہ ہو گئیں پھر رسول علیہ السلام کو سولی تک پہنچا دینا کتنا بڑا جرم تھا۔ یہ اللہ ہی جانتا ہے یا مخلص اہل علم جانتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بدسلوکی کی وجہ سے بنی اسرائیل کا بڑا حصہ جو صہیونیت کے معنوی کینسر کا شکار ہو چکا تھا اور وہ عذاب کا مستحق ٹھہر چکا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک عذاب ہی کی صلیب پر 'زندہ' لٹکائے رکھنے کا فیصلہ فرما دیا۔ چھ صدیوں پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر انہیں چھ صدیوں کی سزا کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا موقع بخشا اور اپنے دامنِ رحمت میں جگہ دینے کے مواقع پیدا کر دیے۔ (سورۂ بنی اسرائیل آیات 4-8)

افسوس کہ اس ناہنجار گروہ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس موقع سے بھی فائدہ نہ اُٹھایا اور ناقدری کی جس سے اس قوم کو دوبارہ عذاب کی صلیب پر لٹکا دیا گیا۔ (سورۂ مائدہ آیت 13)

کسی سزائے موت کے قابل قیدی کے ساتھ یہ بڑا رحم ہو گا کہ اُسے سزائے موت سنائی جائے اور اگلے چوبیس گھنٹے میں یا جلدی اُسے موت کی گھاٹ اُتار دیا جائے۔ دوسری طرف سزائے موت سنا کر اس قیدی کی سزائے موت کو تا حکم ثانی موخر کر دیا جائے کہ کسی دن بھی سزائے موت ہو سکتی ہے ——— یہ فیصلہ اس سزا کی شدت میں اضافہ ہے اور اس مجرم کو جرم کی سنگینی کی وجہ سے مسلسل ذہنی اذیت اور کوفت میں رکھنا ہے۔ وہ ہر روز مرتا اور زندہ ہوتا ہے اور مسلسل عذاب کی کیفیت میں رہتا ہے اس کو کسی صورت چین نہیں ہے۔

بنی اسرائیل کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف سازش کی وجہ سے سزا ہوئی پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر انہیں موقع بخشا گیا۔ جس کی اُنہوں نے ناقدری کی بلکہ اس کے برعکس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا پریشان کیا اندرونی و بیرونی سازشوں کے ذریعے بظاہر بے آرام کیا اور ایمان نہیں لائے جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس ابلیسی گروہ کو قربِ قیامت تک جس کی صحیح

خبر صرف خود ذات باری تعالیٰ کو ہے کہ کب آئے گی ایک مسلسل ذہنی عذاب کی شکل میں رکھا گیا ہے جس کی کربناکی کا تصور صرف یہود ہی کر سکتے ہیں یہی کرب، داخلی انتشار اور بدنیتی ہے جو انہیں چین نہیں لینے دیتی اور وہ آج تک آپ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف انتقامی جذبات کی آگ میں جل رہے ہیں۔ رسولوں پر ایمان نہ لانے اور ستانے کی وجہ سے سابقہ اقوام عالم (جن کا ذکر آسمانی کتابوں میں ہی ہوسکتا ہے اور قرآن مجید میں ہے) کی یکبارگی تباہی کی سزا ــــــــ اس صدیوں پر پھیلے پشت در پشت نفسیاتی کرب، ذہنی خلل اور حیوانی سطح کی زندگی گزارنے کے عذاب سے کہیں ہلکی سزا تھی۔ ــــــــ

صہیونیت 'شَرُّ الْبَرِیَّہ' کیوں؟ ایک اہم نکتے کی وضاحت

☆ اہل کتاب کا ایک حصہ جسے ہم نظریات کی بنیاد پر صہیونیت (ZIONISM) لکھ رہے ہیں اسے قرآن پاک کی سورۃ البینہ می 'شَرُّ الْبَرِیَّۃِ' یعنی بدترین خلائق کہا گیا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم اسلام کے قتل میں ملوث اور لوگ تھے' وہ تھے بنی اسرائیل ہی کے گروہ کے لوگ۔ موجودہ صہیونیت کے علمبرداروں کے آباؤاجداد۔ مگر وہ چلے گئے (تلك امة قد خلت) اسی طرح جس منحوس گروہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بے بنیاد الزامات لگا کر سولی تک پہنچانے کی راہ ہموار کی یا جنہوں نے حضرت محمد ﷺ کے ساتھ بدسلوکی کی، بدعہدی کی، بیوفائی کی، قتل کے منصوبے بنائے، اندرونی اور بیرونی سازشوں سے ستایا اور بے آرام کیا ــــــ وہ اور لوگ تے وہ گزر گئے اب موجودہ دور کے یہودیوں کو ان جرائم کی ــــــ جو صدیوں پہلے ان کے باپ دادانے کئے تھے' سزا کس لئے؟ اور کیوں؟

بظاہر ــــــ یہ سوال اور استدلال بڑا متاثر کرنے والا (APPEALLING) ہوسکتا ہے کہ واقعی موجودہ دور کے یہودی یا صہیونیت کے کارپردازان یا اس مشن کی زمام کار سنبھالنے والے (AT THE HEALM OR AFFAIRS) لوگ اُن جرائم کی سزا کیوں پائیں جو مدینہ النبی ﷺ کے باسی یہودیوں نے کئے تھے یا یروشلم کے یہودی عالموں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے خلاف فتویٰ دے کر اور اس کو مؤکد کرکے جو جرائم کئے تھے یا اس سے پہلے قتل انبیاء کے مجرم بنی اسرائیلی بدطینت لوگوں سے جو افعالِ بد سرزد ہوئے تھے؟ مگر ــــــ غور فرمائیں تو

صورت حال بڑی سنگین ہے اور ع الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا کے مصداق موجودہ دور کے یہودیوں کا جرم بھی اگر ارتکاب جرم کرنے والے بنی اسرائیل کے افراد سے بڑا نہیں ہے تو کم بھی نہیں ہے۔

قرآن مجید کے نزدیک تو یہود کے لئے آپ ﷺ کے دور میں موقع آیا تھا کہ وہ سابقہ روش چھوڑ دیں اور آپ پر ایمان لا کر اپنے اسلاف سے اعلان لاتعلقی کر دیں تو تمہارے گناہ معاف ہو سکتے ہیں۔ صیہونیت کے پرستاروں (ZIONS) کا جرم ہے ہی یہی کہ وہ اپنے آباؤ و اجداد کے مجرمانہ افعال کو آسمانی ہدایت، وحی، تعلیماتِ انبیائے بنی اسرائیل (علیہم السلام) اور قرآن مجید اور صاحب قرآن حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں جرم سمجھنے کے باوجود اپنے آباؤ و اجداد کے افعال کو "OWN" کر رہے ہیں اور اس پر فخر کر رہے ہیں اور اعلان براءت کرنے کو کسی صورت تیار نہیں ہے۔

بنی اسرائیل کے اس بگڑے ہوئے گروہ کا جرم 'آباء پرستی' ہے۔ اگر آج بھی یہ گروہ ـــــــ اپنے آباؤ واجداد کے جرائم سے اعلان براءت کر کے حضرت محمد ﷺ کے دامن رحمت میں آ جائے جو رحمت للعالمینی کی شان کے ساتھ آج بھی انسانیت پر سایہ فگن ہے تو توبہ ہو سکتی ہے۔ مگر وہ ایسا کرنے پر آمادہ نہیں ہے اس پر فخر کرتے ہیں، ان جرائم کا چرچا کرتے ہیں، اپنے نسلی تفاخر کے بیان میں کارنامے شمار کرتے ہیں اس لئے اس بنی اسرائیل کے بگڑے گروہ نے ابلیسی گروہ کی صورت اختیار کر لی ہے اور اس گمراہ کن روش پر ایسے جازم، اٹل اور جمے ہوئے ہیں کہ طرزِ عمل کی تبدیلی کے سارے راستے بند کر رکھے ہیں اور جانتے بوجھتے ـــــــ اللہ کے غضب اور جہنم کی طرف جانے کو ترجیح اوّل دیے بیٹھے ہیں۔ قرآن پاک میں اسی طرزِ عمل کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَ الْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ O ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ لَفِىْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ O (02-175-176)

''یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت چھوڑ کر گمراہی اور بخشش چھوڑ کر عذاب خریدا۔

یہ آتش (جہنم) کی کیسی برداشت کرنے والے ہیں۔ یہ اس لئے کہ اللہ نے کتاب سچائی کے ساتھ نازل فرمائی۔ اور جن لوگوں نے اس کتاب میں اختلاف کیا یقیناً وہ ضد میں (آ کر نیکی) سے دور (ہو گئے) ہیں۔''

قریش اور آباء پرستی

آباء پرستی واقعی جرم ہے اگر کسی کے والدین اور آباؤ اجداد حق پرست تھے، اہل ایمان تھے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے تھے تو ایسے اسلاف اور آباؤ اجداد کو ماننا باعث سعادتِ دارین ہے ان کے نقش قدم پر چلنا باعث رحمت الٰہی ہے۔ 'صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ' کی دُعا خود اللہ تعالیٰ نے تلقین فرمائی ہے اور تاکید کے ساتھ تلقین فرمائی ہے کہ قلب کی گہرائی سے نکلی اس بے تاب صدا کے بغیر کوئی نماز نہیں ہو سکتی۔ جبکہ آباؤ اجداد دین حق کے خلاف ہوں اور 'الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ' اور 'الضَّآلِّیْنَ' کے زمرے میں آتے ہوں تو اُن سے اعلان براءت بھی ہدایت ہی کا حصہ ہے۔

قریش مکہ قرآن مجید کی انہیں تعلیمات سے منہ موڑتے تھے اور اپنی خاندانی روش اور آباء پرستی پر ڈٹے ہوئے تھے جس پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَ هُمْ ضَآلِّیْنَ O فَهُمْ عَلٰی اٰثٰرِهِمْ یُهْرَعُوْنَ O(37:70-69)

''انہوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ ہی پایا، سو وہ انہی کے پیچھے دوڑے چلے جاتے ہیں''

آج یہودیت اور صہیونیت نسلی تفاخر، نسل پرستی، آباء پرستی، نفس پرستی، اغراض پرستی، مفاد پرستی یا خدا بیزاری، دین دشمنی، وحی سے اعراض اور تعلیمات انبیاء کرام علیہم السلام بالخصوص قرآن مجید دشمنی اور محمد ﷺ دشمنی سے عبارت ہے۔

چونکہ صہیونیت کے پرستار ابلیس کی راہ پر چلتے چلتے اتنے آگے نکل چکے ہیں کہ اب اصلاح کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اب تو اللہ تعالیٰ کا قانون مکافات اور قانون عذاب عمل میں آئیگا اور جرم اوّل اور جرمِ ثانی کی سزا۔ حضرت مسیح علیہ السلام اپنے سچے پیروکاروں جو حضرت محمد ﷺ کے جانثاروں کا ہی دوسرا نام ہے ــــــ سے مل کر اس خبیث، ناپاک، ابلیسی اور شیطانی گروہ (حزب الشیطان) کو شکست سے دوچار کریں گے اور ان کا 'بیج' ہی ختم کر دیں گے۔ یہی

'سنت اللہ' ہے اور 'سنت اللہ' کبھی بدلتی نہیں ہے اور نہ ہی 'سنت اللہ' کے ظہور اور بروئے کار آنے سے اُسے کوئی روک سکتا ہے۔ اعاذنا اللہ من ذالك الخزی العظیم

حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ آخری نبی تھے۔ آپ ﷺ اپنے زمانے اور حیات طیبہ میں بھی صرف عربوں کی طرف نبی نہیں تھے بلکہ ساری دنیا اور انسانیت کے لئے نبی تھے اور آج بھی آپ ﷺ کا دورِ نبوت و رسالت ہی جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا آپ ﷺ عربوں کی طرف خصوصی طور پر اور پوری انسانیت کی طرف عمومی طور پر نبی علیہ السلام تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے فرائض منصبی عرب کی حد تک خود بنفس نفیس سرانجام دیے دعوت، تنظیم، تربیت اور صبر محض سے اہل ایمان کو گزار کر ایک 'حزب اللہ' بنا دیا۔ پھر اس حق کو باطل سے ٹکرا دیا قرآن مجید کے الفاظ کے مصداق وہی نقشہ سامنے آ گیا۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ...... (18:21)

''بلکہ ہم حق کو باطل پر کھینچ مارتے ہیں تو وہ اس کا سر توڑ دیتا ہے اور وہ اسی وقت نیست و نابود ہو جاتا ہے''

اللہ نے آپ کے ہاتھوں عرب میں 'جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ' کا نقشہ بنا دیا۔ آپ نے جو 'حزب اللہ' تشکیل دی تھی جس کا نقشہ سورۂ فتح میں اس طرح ہے

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا (29:48)

''محمد (ﷺ) اللہ کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل۔ (اے دیکھنے والے) تو ان کو دیکھتا ہے کہ (اللہ کے آگے) جھکے ہوئے سربسجود ہیں اور اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کر رہے

ہیں۔ (کثرت) سجود کے اثر سے ان کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے یہی اوصاف تورات میں (مرقوم) ہیں اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں۔ وہ (گویا) ایک کھیتی ہیں جس نے (پہلے زمین سے) اپنی سوئی نکالی پھر اس کو مضبوط کیا پھر موٹی ہوئی اور پھر اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہوگئی اور لگی کھیتی والوں کو خوش کرنے۔ تا کہ کافروں کا جی جلائے۔ جو لوگ ان میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے اللہ نے گناہوں کی بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔''

آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ایک اُمت دی تھی جو اُمت مسلمہ کہلائی اور 'حزب اللہ' تھی۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد اسی 'حزب اللہ' نے آگے بڑھ کر آپ ﷺ کے مشن کے بین الاقوامی حصے کو آگے بڑھایا ہے۔

اُمت مسلمہ اور عالمی صہیونیت آمنے سامنے

اُمت مسلمہ حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے کی بنیادوں پر استوار ہے اور آپ ﷺ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے تھے۔ جبکہ صہیونیت بنی اسرائیل کی بگڑی ہوئی شکل ہے اور ابلیس کی راہ پر چل کر ابلیسی گروہ بن چکا ہے۔ بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کے لقب اسرائیل کی وجہ سے بنی اسرائیل (حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد) کہلاتی ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے ہیں اور حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چھوٹے بیٹے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہ دو ہی بیٹے تھے: حضرت اسماعیل علیہ السلام بڑے بیٹے تھے جنہیں 'مکہ' میں آباد کیا گیا جہاں حضرت محمد ﷺ تشریف لائے اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو یروشلم میں (فلسطین) میں آباد کیا تھا۔ جہاں سے ایک مدت بعد صہیونیت نے جنم لیا اور پروان چڑھ کر فتنہ کی شکل اختیار کر لی۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک ہی شخص کے دو بیٹوں کی اولاد حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسبت سے مسلمان اور اُمت مسلمہ بنی اسماعیل کہلاتی ہے اور دوسری بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔ نیرنگی قدرت...... کہ حضرت محمد ﷺ کے وصال کے بعد بنی اسماعیل اور بنی اسرائیل آمنے سامنے ہو گئے ایک گروہ نے 'حزب اللہ' کی شکل اختیار کی اور دوسرے گروہ حزب الشیطان کا روپ دھار لیا۔

خلافت راشدہ سے لیکر آج تک تاریخ عالم گواہ ہے کہ حالات کا اصل دھارا اُمت مسلمہ اور صہیونیت یا بنی اسماعیل اور بنی اسرائیل کی باہمی رقابت، آویزش اور دشمنی کی تاریخ ہے اور خیر و شر کی جنگ ہے۔

صہیونیت یا بنی اسرائیل کی چودہ صدیوں کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہوئے لامحالہ بنی اسماعیل یا اُمت مسلمہ کا ذکر ناگزیر ہے۔لہٰذا آگے چلنے سے پہلے ہم یہاں اُمت کی تاریخ پر ایک طائرانہ نظر ڈالنا ضروری سمجھتے ہیں۔اسی تاریخ کا ایک کامل عکس (NEGATIVE) تاریخ بنی اسرائیل ہوگی اس لحاظ سے قارئین کو تاریخ بنی اسرائیل ....اس کے مقاصد،عزائم ،منصوبے اور اُن منصوبوں کی تکمیل کے لئے طریقہ کار یا صحیح تر الفاظ میں 'طریقہ واردات' کو بھی سمجھنے میں آسانی رہے گی نیز دورِ حاضر میں بنی اسماعیل اور بنی اسرائیل کی آویزش کس منزل اور مقام پر ہے وہ بھی واضح ہوگی نیز اُمت مسلمہ کے عالمی غلبے کے مرحلے سے پہلے صہیونیت کے خاتمے اور 'انجام' کا نقشہ سامنے آسکے گا۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا آخری کلام ہے اور تورات، زبور اور انجیل کے برعکس ایک محفوظ کلام ہے کہ آخری کلام اور 'پیغام آخریں' ہونے کے ناطے اس کی حفاظت کا ذمہ بھی خود صاحب کلام............اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔(15-09)

قرآن مجید میں مسلمانوں کی تاریخ تذکرہ نہیں ہوا کہ یہ تاریخ ختم نبوت اور وحی کا باب بند ہونے اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد سے شروع ہوتی ہے۔البتہ قرآن مجید میں سورۂ بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں تاریخ بنی اسرائیل کا ایک خلاصہ بیان ہوا ہے اس کو سامنے رکھیں۔ دوسری طرف ایک فرمان رسالت مآب ﷺ کو سامنے رکھیں اور غور کریں اور تاریخ پر نظر ڈالیں تو تاریخ بنی اسرائیل بھی روز روشن کی طرح سامنے آتی ہے اور اُمت مسلمہ کی تاریخ کی ایک کلید سامنے آتی ہے۔اس بات کو ماضی قریب میں ہی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''سابقہ اور موجودہ اُمت مسلمہ کے عروج و زوال کی تاریخ اور اُمت مسلمہ کا مستقبل'' میں وضاحت سے لکھا ہے۔ ویسے ان کے یہی خیالات عالیہ ''استحکام پاکستان'' نامی کتاب اور دیگر کتابچوں میں بھی موجود ہیں۔

تاریخ بنی اسرائیل کے تذکرے میں سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ قَضَیۡنَاۤ اِلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ فِی الۡکِتٰبِ لَتُفۡسِدُنَّ فِی الۡاَرۡضِ مَرَّتَیۡنِ وَ لَتَعۡلُنَّ عُلُوًّا کَبِیۡرًا ○ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ اُوۡلٰىہُمَا بَعَثۡنَا عَلَیۡکُمۡ عِبَادًا لَّنَاۤ اُولِیۡ بَاۡسٍ شَدِیۡدٍ فَجَاسُوۡا خِلٰلَ الدِّیَارِ وَ کَانَ وَعۡدًا مَّفۡعُوۡلًا ○ ثُمَّ رَدَدۡنَا لَکُمُ الۡکَرَّۃَ عَلَیۡہِمۡ وَ اَمۡدَدۡنٰکُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّ بَنِیۡنَ وَ جَعَلۡنٰکُمۡ اَکۡثَرَ نَفِیۡرًا ○ اِنۡ اَحۡسَنۡتُمۡ اَحۡسَنۡتُمۡ لِاَنۡفُسِکُمۡ وَ اِنۡ اَسَاۡتُمۡ فَلَہَا فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَۃِ لِیَسُوۡٓءٗا وُجُوۡہَکُمۡ وَ لِیَدۡخُلُوا الۡمَسۡجِدَ کَمَا دَخَلُوۡہُ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّ لِیُتَبِّرُوۡا مَا عَلَوۡا تَتۡبِیۡرًا ○ عَسٰی رَبُّکُمۡ اَنۡ یَّرۡحَمَکُمۡ وَ اِنۡ عُدۡتُّمۡ عُدۡنَا وَ جَعَلۡنَا جَہَنَّمَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ حَصِیۡرًا ○ (17:4-8)

''اور دی ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب اور کیا اس کو ہدایت بنی اسرائیل کے واسطے کہ نہ ٹھہراؤ میرے سوا کسی کو کارساز، تم جو اولادہو ان لوگوں کی جن کو سوار کرایا ہم نے نوح کے ساتھ، بے شک وہ تھا بندہ حق ماننے والا۔ اور صاف کہہ سنایا ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں کہ تم خرابی کرو گے ملک میں دو بار اور سرکشی کرو گے بڑی سرکشی۔ پھر جب آیا پہلا وعدہ، بھیجے ہم نے تم پر اپنے بندے سخت لڑائی والے پھر پھیل پڑے شہروں کے بیچ اور وہ وعدہ پورا ہونا ہی تھا۔ پھر ہم نے پھیر دی تمہاری باری ان پر اور قوت دی تم کو مال سے اور بیٹوں سے اور اس سے زیادہ کر دیا تمہارا لشکر۔ اگر بھلائی کی تم نے تو بھلا کیا اپنا اور اگر برائی کی تو اپنے لیے۔ پھر جب پہنچا وعدہ دوسرا، بھیجے اور بندے کہ اداس کر دیں تمہارے چہرے اور گھس جائیں بیت المقدس میں جیسے گھس گئے تھے پہلی بار اور خراب کر دیں جس جگہ غالب ہوں پوری خرابی۔ امید ہے کہ تمہارا پروردگار تم پر رحم کرے اور اگر تم پھر وہی (حرکتیں) کرو گے تو ہم بھی وہی (سلوک) کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کیلئے قید خانہ بنا رکھا ہے''۔

اس ضمن میں مسلمانوں کی تاریخ کے بارے فرمانِ رسالت مآب ﷺ کے الفاظ یوں وارد ہوئے ہیں:

لیأتین علی اُمتی ما اتی علی بنی اسرائیل حذو النعل بالنعل......

''میری امت پر بھی وہی حالات آئیں گے جو بنی اسرائیل پر آئے جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے برابر ہوتا ہے......'' (ترمذی۔عن ابن عمرو رضی اللہ عنہ)

اوپر درج کی گئی آیات اور حدیث مبارکہ کے مضمون پر غور کریں اور تاریخ بنی اسرائیل کو سامنے رکھیں تو مسلمانوں کی تاریخ سامنے آئے گی۔آپ ﷺ نے اس فرمان میں مسلمانوں کو گویا تاریخ بنی اسرائیل پڑھنے کی ترغیب دی تھی اور خود قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے تاریخ بنی اسرائیل کے دینی بگاڑ کا پہلے پارے میں ہی دس رکوعوں میں بیان فرما کر اُس کی اہمیت وحکمت کو اُجاگر کر دیا کہ مسلمانوں پر بھی اسی طرح کے حالات پیش آئیں گے۔دینی بگاڑ کے پہلو سے بھی اور سیاسی وعسکری عروج وزوال کے لحاظ سے بھی۔

ان سطور میں پہلے ہم خلافت راشدہ سے آج تک کے اُمت مسلمہ کے حالات پر طائرانہ نظر ڈالیں گے جو اوپر درج قرآنی حکمت اور حکمت نبویؐ کی روشنی میں دو عروج کے ادوار اور دو ہی دفعہ زوال کے منحوس عرصوں پر مشتمل ہے۔

مسلمانوں کی تاریخ چونکہ ایک نظریاتی تاریخ ہے لہٰذا اس تاریخ کے دو پہلو ہیں۔ایک سیاسی وعسکری پہلو یعنی مسلمانوں کی تاریخ۔دوسرا پہلو نظریاتی وابستگی اور ایمان کا پہلو ہے اُس سے مراد ہے اسلام کی تاریخ ہے۔

مسلمانوں کی تاریخ

مسلمانوں کی تاریخ کا پہلا دور عروج کا دور ہے اور یہ دور ہمارے نبی اور آقا پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی وفات کے متصل بعد شروع ہوتا ہے۔آپ ﷺ چونکہ عربوں کی طرف خاص طور پر نبی تھے لہٰذا مسلمانوں کا پہلا دورِ عروج بھی عربوں کے ہاتھوں ہوا ہے۔

خلافت راشدہ	11 ھ تا 40ھ	(632ء تا 660ء)
اس کے بعد دورِ بنواُمیہ	41 ھ تا 132 ھ	(661ء تا 750ء)
پھر دورِ بنوعباس ہے	132ھ تا 656ھ	(750ء تا 1258ء)

اس دور میں اسلام جزیرہ نمائے عرب سے نکل کر صرف ربع صدی میں تین براعظموں تک پھیل گیا پھر کچھ داخلی خلفشار کے بعد دور بنو اُمیہ میں اسلامی حکومت کی جغرافیائی حدود کی توسیع ہوتی رہی حتیٰ کہ پہلی صدی ہجری کے آخر تک (718ء) اسلام معلوم متمدن دنیا کے تمام علاقوں تک پھیل گیا دورِ بنو عباس میں فتوحات کا سلسلہ کم رہا تاہم امن وسکون اور خوشحالی کے باعث مسلم ثقافت نے جنم لیا اور مسلمانوں نے تجارت صنعت وحرفت، ایجادات، سائنس، تجرباتی علوم، تعمیرات، سیاحت غرض ہر میدان میں انسانیت کو اعلیٰ روایات دی ہیں۔ علم دوستی اور انسان دوستی کا یہ دورِ حکومت عدل وانصاف، مساوات، پس ماندہ طبقات کی دلجوئی اور ترقی، معاشی آسودگی اور خوشحالی کا دور ہے۔ مدینۃ النبی ﷺ کے بعد کوفہ اور بعد ازاں دمشق اسلامی حکومت کے دارالخلافہ کہلائے۔

دورِ بنو عباس میں دارالخلافہ بغداد منتقل ہوا تو اگلی پانچ صدیاں بعد بغداد ایک رومانوی شہر بن گیا اور دنیا بھر کی تجارت اور بحری جہازوں کی آمد ورفت کا مرکز اور علم کا گہوارہ بن گیا۔ عالم اسلام آسودگی، ترقی، ایجادات اور زندگی کی آسائشوں کی مثال بن گیا۔

بغداد کے علاوہ یورپ میں آدھے مغربی حصے پر مسلمانوں کی حکومت 1492ء تک قائم رہی جہاں علم کے سرچشمے پھوٹے اور پورے یورپ سمیت تمام دنیا کو سیراب کر گئے۔ یورپی اقوام کی آنے والی صدیوں میں علمی برتری اور سائنسی ترقی سپین (ہسپانیہ یا اُندلس) کے عرب مسلمانوں کی مرہون منت ہے۔

دورِ بنو عباس کے بعد مسلمانوں میں بالعموم سیاسی وعسکری زوال آ گیا۔ عربوں کا عروج پیوند خاک ہو گیا۔ چند صدیوں بعد مسلمانوں کو دوسرا عروج نصیب ہوا تو یہ عروج غیر عرب اقوام کے ہاتھوں ہوا۔ ایران میں صفوی حکومت 1428ء عثمانی ترکوں کے ہاتھوں فتح قسطنطنیہ 1453ء کے بعد عثمانی سلطنت کا قیام اور ہند میں مغلوں کی حکومت (بابر 1526ء) قائم ہوئی اس سے مسلمانوں کی شان وشوکت میں اضافہ ہوا۔۔۔۔ مگر یہ دور مختصر رہا۔

مسلمانوں کے زوال کے باعث مغربی یورپی اقوام نے علمی میدان سنبھال لیا۔ سائنسی برتری حاصل کر کے دنیا پر چھا گئے اور انیسویں صدی آتے آتے ساری دنیا کے مسلم

علاقوں پر یورپی اقوام قابض ہوگئی تھیں اگرچہ زوال کا سب سے آخری درجہ آنے تک کوئی ایک صدی اور بیت گئی مگر یہ زوال کے منحوس سایوں کے گہرا ہونے کا ہی دور ہے۔ بالآخر پہلی جنگ عظیم کے بعد ترکی ملک باقی رہ گیا مغلوں کی سلطنت، ایرانیوں کی حکومت اور عثمانی خلافت سب ختم ہوگئیں اور عظیم مسلم عثمانی سلطنت کا بھی خاتمہ ہوگیا۔

یہ 1924ء کا سال سقوط خلافت کا سال ہے اس طرح مسلمانوں کی دنیا میں سیاسی و عسکری اعتبار سے مرکزیت ختم ہوگئی اور عالم اسلام کی وحدت پارہ پارہ ہوگئی اب گزشتہ 90 سال سے عالم اسلام وحدت کی بجائے 58 مسلمان ملکوں کا مجموعہ ہے جن کے باہمی تعلقات کشیدہ ہی ہیں۔

اسی دورِ زوال کی کوکھ سے مسلمانوں کے تیسرے عروج نے جنم لیا اور برطانوی ہند میں مسلمانوں نے سقوط خلافت کے خلاف زبردست تحریک چلائی۔ یہاں یکے بعد دیگرے کئی ایسی شخصیات پیدا ہوئیں جنہوں نے مسلمانوں کو جگایا جس سے بالآخر 14 اگست 1947ء بمطابق 27 رمضان المبارک 1366ھ بروز جمعہ الوداع اور شب قدر میں پاکستان معرض وجود میں آ گیا۔

عالم اسلام بالعموم اور پاکستان کی گذشتہ چھ عشروں کی تاریخ بڑی ناگفتہ بہ ہے۔ اور ایک قدم آگے تو دو قدم پیچھے ہٹنے والی مثال کا نمونہ ہے۔

دورِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ کے بعد دوسری طرف اسلام کی تاریخ صیہونیت کے ساتھ کشاکش اور پنجہ آزمائی کی تاریخ ہے ایمانی جذبات کے لحاظ سے بہترین دور فرمان نبویؐ کے مطابق حقیقتاً دورِ نبوی ہی ہے۔ پھر اس کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کا دور۔ پھر اس کے بعد تابعین رحمہم اللہ کا دور۔ علیٰ ہذا القیاس دورِ نبویؐ کے بعد مجموعی لحاظ سے ایمانی کیفیات میں کمی آتی چلی گئی اور یہ ایک فطری امر تھا۔

اس دور میں آپ کے ایک دوسرے فرمان کہ ''میری اُمت میں ہر صدی کے آغاز پر مجددین آتے رہیں گے جو دین کی تجدید کرتے رہیں گے'' کے مطابق مجددین اُمت نے اصلاح کا کام کیا ہے۔ ان میں سے حالات کے مطابق سب کی خدمات و دعوت بڑی وقیع ہیں۔ تا آنکہ 1000ھ کے آتے آتے مسلمانوں کا ایمانی زوال اپنی انتہا اور نچلے درجے پر آ گیا۔ ہند میں اکبر بادشاہ کا دور مسلمانوں کے عروج کا دور ہے مگر ایمانی کیفیات کی انتہائی کمزوری کا

عرصہ ـــــــ اسی دور میں اکبر نے 'دین الٰہی' جاری کر دیا اور معاذ اللہ اسلام کے ختم ہونے کا اعلان کر دیا۔ یہی دور ہے ـــــــ جب گیارہویں صدی کے مجدد (مجدد الف ثانی، دوسری ہزاری کے مجدد) شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ آئے اور اُنہوں نے شرک، الحاد اور زندقہ کا قلع قمع کیا ہے اور شجر اسلام کی آبیاری فرمائی ہے۔ بعد کی صدیوں میں اسلام کو عروج ہوا۔ ایمانی کیفیات میں بہتری آتی چلی گئی کہ بیسویں صدی میں برطانوی ہند کے مسلمانوں نے کلمہ کے نام پر اسلام کی برتری اور اسلام کے عدل اجتماعی کے لئے نمونہ کی سلطنت بنانے کے عزم کے ساتھ پاکستان کی اسلامی ریاست قائم کر دی۔ اللہ کرے یہ ریاست اپنے مشن میں کامیاب ہو۔ آمین

صہیونیت کی تاریخ

مسلمانوں کے عروج و زوال کی تاریخ کا مختصر خاکہ اُوپر درج ہے صہیونیت کی تاریخ اس کا بالکل برعکس ہے۔ مسلمانوں کا دورِ عروج صہیونیت کے لئے کسمپرسی، نکبت، ذلت و رسوائی کا دور ہے مسلمانوں کی کمزوری کا دور صہیونیت کے سر اُٹھانے کا دور ہے اور مسلمانوں کا دورِ زوال صہیونیت کا مسلمانوں کو آنکھیں دکھانے کا دور ہے۔

صہیونیت اپنی دلی خواہش کے مطابق مسلمانوں کا خاتمہ دورِ نبوی میں تو (خاکم بدہن) کیا کرتی بعد کے زوال کے دور میں بھی نہیں کر سکی بلکہ اسکی بے چارگی کا یہ عالم ہے کہ وہ کبھی سامنے آ کر میدان میں مدمقابل کے طور پر صف آرا بھی نہیں ہوئی صرف دوسروں کو سامنے کرتی رہی ہے

مسلمان جب تک اپنے عروج کے دور میں بیدار رہے صہیونیت پر مردنی چھائی رہی اور کونوں کھدروں میں منہ چھپائے رہی جب مسلمانوں پر دورِ زوال آیا اور یہ قانون فطرت ہے تو صہیونیت نے اپنے مہرے سامنے کئے ہیں۔ قرآن مجید کی آیت کا حوالہ دیں تو صورتحال یوں ہے:

جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

''حق آ گیا اور باطل نابود ہو گیا بے شک باطل نابود ہونے والا ہے''

کہ جب اہل حق مسلمان بیدار ہوتے ہیں تو باطل (صہیونیت اور ابلیسیت) بھاگ جاتی ہے۔ یا انگریزی محاورہ استعمال کریں تو مسلمان کے عروج کے دور میں صہیونیت پس پردہ اور غائب۔ ذرا

مسلمان کمزور ہوئے اور اضمحلال وزوال کے سائے پڑے تو صہیونیت نکل آئی۔ گویا

WHEN THE CAT IS AWAY THE MICE PLAY

والا انگریزی محاورہ ہو بہو اس صورت حال پر صادق آتا ہے۔

اسلام کی نظریاتی تاریخ میں خلافت راشدہ کے دور میں تو صہیونیت پس پردہ چلی گئی اور سازشوں کا جال بچھانے میں لگ گئی جس سے مسلمانوں میں کچھ داخلی خلفشار پیدا ہوا مگر جلد ہی مسلمانوں کے اجتماعی عزم اور ضمیر کی بیداری نے اس پر قابو پالیا البتہ دورِ بنو اُمیہ اور دورِ بنو عباس میں صہیونیت نے پہلے ہی خود تیار کئے ہوئے یونانی فلسفیانہ نظریات کو درآمد کیا۔

چنانچہ یونان اور یورپی عیسائی حکومتوں سے یونانی فلاسفہ کے بے سروپا، خدا بیزار، دین بیزار، سیکولر نظریات اور حیوانی طرزِ حیات کے داعی شخصیات کا عالم اسلام میں تعارف کرایا گیا۔ پہلی صدی سے پانچویں صدی تک عالم اسلام میں اس نظریاتی اور فکری یلغار کا غلغلہ رہا۔ اگرچہ سیاسی وعسکری سطح پر یہ بحثیں اسلام کے مجموعی نظام میں کوئی رکاوٹ نہیں کر سکیں مگر فکری انتشار اور نظریاتی اعتبار سے تقسیم در تقسیم کا عمل ضرور شروع ہو گیا۔ اسی دور میں ایمانیات پر بحث کے نتیجے میں قرآنی مابعد الطبعیاتی تصورات، اللہ، روح، فرشتے، حیات بعد الممات، عذاب قبر، وحی، نبوت ورسالت وغیرہ، کے دفاع کے لئے علم کلام ایجاد ہوا اور اسلام کے پیروکاروں نے مسلمان اُمت کے بڑے حصے کو سیکولرازم اور خدا بیزار اور خدا ناشناس افکار کی دلدل سے نکالا ہے۔ جس سے صہیونیت کو منہ کی کھانی پڑی اور اس کی ساری محنت اکارت چلی گئی۔

قانون خداوندی ہے کہ ''ہر کمال کو زوال ہے'' مسلمانوں پر چھ صدیاں بیتیں تو زوال آ گیا اور یہ زوال ایمانی کیفیات کے زوال کا ہی نتیجہ تھا اس دور میں صہیونیت نے اپنے ہی لے پالک تثلیث کی حامل مسیحیت کا سہارا لیا اور مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگوں کا آغاز کر دیا۔ مسلمانوں نے اپنا دارالحکومت مدینہ سے کوفہ، دمشق اور بغداد منتقل کر کے گویا مدینۃ النبی ﷺ اور حرمین شریفین کو سیاسی مقابلہ بازی اور تاخت وتاراج سے بچالیا۔

صہیونیت نے اب بیت المقدس کے حوالے سے مسلمانوں سے جنگیں چھیڑ دیں جو آج تک قریباً ایک ہزار سال سے جاری ہیں۔ بیت المقدس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں عیسائیت اور صہیونیت سے چھین کر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عطا کیا تھا اور یہ اس بات کی علامت تھی کہ بیت اللہ اور بیت المقدس کے اب وارث آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا ہی ہیں اور یہی اس مقدس گھر کی تولیت کے تا قیامت حقدار ہیں۔

صہیونیت نے عالم عیسائیت کو آگے کیا ان کے جذبات کو بھڑکایا اور پورا یورپ مذہبی جنون سے پاگل ہو کر 'مذہبی' دہشت گردی پر اُتر آیا اور مسلمانوں میں موجود بعض اخلاقی کمزوریوں اور ایمانی ضعف سے فائدہ اُٹھا کر 1097ء میں بیت المقدس چھین لیا۔ اس موقع پر صہیونیت کے چہرے پر کئی صدیوں بعد خوشی کے آثار نمایاں تھے۔ اور آج کی یورپی اقوام اور انسانی حقوق کے یہودی چمپئن لوگوں نے وہ مظالم ڈھائے کہ خدا کی پناہ۔

صہیونیت نے غیر اخلاقی ہتھکنڈوں سے بیت المقدس لے تو لیا مگر کوئی انسانی فلاح کا ذہن میں خانہ ہوتا تو وہ اس قبضے کو برقرار رکھ سکتی اور اس قبضے کو توسیع دیتی۔ 90 سال بعد سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے سارے یورپ کی اجتماعی قوت کو شکست دے کر بیت المقدس دوبارہ فتح کر لیا اور بیت المقدس کے شہریوں پر ظلم کی بجائے وہ احسانات کئے جو آج بھی یورپی اقوام کو یاد ہیں اور یورپی اقوام مفتوح اقوام سے ایسے رویے کی اپنی تاریخ سے مثال پیش نہیں کر سکتیں۔

1190ء کے لگ بھگ بیت المقدس کی مسلمانوں کو واپسی سے صہیونیت کا اعتبار عیسائی اقوام سے اُٹھ گیا کہ ان کے سہارے کوئی مہم سر نہیں کی جا سکتی۔

اس دور میں مسلمانوں کے داخلی انتشار اور نظریاتی زوال سے فائدہ اُٹھا کر صہیونیت نے اپنے عالمی نیٹ ورک کے ذریعے چین سے ہلاکو خان اور چنگیز خان کو ابھار کر عالم اسلام پر حملہ کرایا، اندرونِ خانہ LOGISTIC SUPPORT اور INTELLIGENCE SHARING کی یقین دہانی سے ان منگول حملہ آوروں نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور عالم اسلام ایک عالمی قوت کی حیثیت سے ختم ہو گیا اب علاقائی حکومتیں رہ گئیں۔ اگرچہ یہ

مسلمانوں کی نظریاتی حقانیت اور اجتماعی ضمیر کی پختگی کی علامت ہے کہ پہلی صدی میں مسلمان جہاں جہاں تک پہنچ چکے تھے مسلمان اس سے آگے تو گئے ہیں کبھی وہ علاقے مسلمانوں سے بالکلیہ خالی نہیں ہو سکے اور آج بھی مسلمان وہاں آباد ہیں۔

صہیونیت ابھی مشرق وسطیٰ میں مسلمانوں کی سیاسی وعسکری طاقت کو مزید کمزور کرنے کے منصوبوں پر کام کر رہی تھی کہ 1428ء میں ایران میں صفوی حکومت قائم ہوگئی اس سے پہلے عثمانی ترکوں نے ترکستان میں اقتدار حاصل کر لیا تھا تاہم یہ اقتدار قسطنطنیہ ـــــ (جو قیصر روم کا پایۂ تخت تھا اور یورپ و ایشیا کے سنگم پر واقع تھا) کی 1453ء میں فتح سے مزید مستحکم ہوگیا جس سے یورپ میں اسلام داخل ہوگیا۔ صہیونیت مغربی یورپ یعنی سپین (اُندلس) میں پہلے سے موجود مسلم حکومت سے پریشان تھی کہ مشرق سے بھی اسلام پیرس تک آ گیا جس سے صہیونیت کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے اور صہیونیت حواس باختہ ہوگئی۔ اور اس ابلیسی گروہ نے 1492ء میں مسلم اقتدار کو ختم کرا دیا اور 1492ء میں ہی کولمبس کے ذریعے امریکہ کا راستہ نکال کر ـــــ امریکہ میں مہذب دنیا سے دور ـــــ ایک الگ دنیا ـــــ اپنی مرضی کی دنیا آباد کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اس پر عمل درآمد شروع کر دیا۔

اگلی صدی میں ہند میں مغلیہ سلطنت مستحکم ہوگئی اور مشرق بعید بنگال سے لیکر ترکی کے راستے وسطی یورپ تک مسلم اقتدار دوبارہ مستحکم ہوگیا جس سے صہیونیت پر بہت برا دور آ گیا۔

اس دور میں مسلم سپین کی ترقی اور سائنسی علم کی وراثت پر یہود نے قبضہ کر لیا۔ مگر عیسائی نظریات اور تثلیث کے عقیدے کے زیر سایہ سائنس اور تحقیق و جستجو کا علمی سفر ناممکن تھا۔ لہٰذا صہیونیت نے عیسائیت کے اندر سے 'بغاوت' کرادی اور ایک گروہ عیسائیت کے اندر پروٹسٹنٹس (PROTESTANTS) کے نام سے قائم کرادیا۔ یہ گروہ ایسی چالاکی سے بنوایا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو پیغمبر مانے بغیر یہ عیسائی تھے بائبل کو مانے بغیر مذہبی تھے۔ اُنہوں نے انسانی حقوق کے نام پر بہت سی مراعات خود بھی حاصل کیں اور بنی اسرائیل کو بھی دلائیں ـــــ چرچ کی گرفت سے اپنے آپ کو آزاد کرا لیا اپنے لئے سود حلال کر لیا۔ یہ پروٹسٹنٹ کا مذہبی گروہ یہود کی مدد اور سرپرستی سے خوب بڑھا اور پھیلا حتیٰ کہ اگلی چند صدیوں میں ساری دنیا پر چھا گیا اور صہیونی

ایجنڈے کی تکمیل کا ذمہ دار ٹھہرا۔

اس دور میں یورپ میں سائنسی ترقی ہوئی۔ایجادات کا سلسلہ شروع ہوا،مشینیں ایجاد ہوگئیں لہٰذا یورپی اقوام اپنے وطن سے نکلیں اور ساری دنیا میں پھیل گئیں۔اسی دور میں مالی ضروریات پوری کرنے کے لئے کرنسی ایجاد ہوئی اور بنکوں کا نظام شروع ہوا۔سود حلال کر کے صہیونیت نے اپنے حمایت یافتہ عیسائی پروٹسٹنٹ فرقہ کے ذریعے بنک آف انگلینڈ قائم کرایا اور اس نظام کو فروغ دیا۔مزید برآں پیش بندی کے طور پر ریاست اور چرچ (یعنی مذہب اور حکومت) کو الگ کرادیا تاکہ پوپ کا کوئی عمل دخل حکومتی معاملات میں نہ رہے۔گویا حکومتی وسائل اور ریاستی طاقت کے استعمال میں مذہب کی بنیاد پر کوئی اخلاق، خدائی قانون یا وحی کے احکام رکاوٹ نہ بن سکیں۔یہی ریاستی جبر وظلم کا عفریت ہے جس کے بل بوتے پر یورپی اقوام نے صہیونیت کے ایجنڈے کی تکمیل کے لئے ساری دنیا پر قبضہ کر کے عالمی حکومت کے قیام کے لئے دیگر اقوام کو اپنا غلام بنالیا۔

عیسائیت اور چرچ اگرچہ کمزور تھا مگر ان یہودی اور صہیونی اقدامات کو دیکھ رہا تھا جس سے اُس کے گرد گھیرا تنگ ہو رہا تھا چنانچہ یہی دور ہے کہ عیسائیت اور چرچ کے دباؤ پر یہودی مشرقی یورپ کے کئی ممالک سے باغیانہ سرگرمیوں کی وجہ سے جبراً نکال دیے گئے چنانچہ چیکوسلواکیہ، جرمنی، اٹلی اور دیگر ممالک سے ان کو نکال دیا گیا اور یہ بالآخر_____ امریکہ کی طرف نقل مکانی پر مجبور ہوگئے۔

یورپ میں صہیونی ایجنڈے پر پروٹسٹنٹ کام کرتے رہے اور یورپی طاقت برطانیہ کو بالآخر صہیونیت نے اپنا نمائندہ بنالیا اور برطانوی بادشاہ اب پروٹسٹنٹ کا محافظ اور صہیونی ایجنڈے کو پورا کرنے کا ذمہ دار بنا گیا لہٰذا برطانیہ کو تمام یورپی طاقتوں پر بالادستی حاصل ہوگئی۔فرانس، اٹلی، جرمنی، پرتگال وغیرہ کے مجموعی مقبوضات اکیلے برطانوی مقبوضات سے کہیں کم تھے۔

صہیونیت نے برطانیہ اور دیگر یورپی طاقتوں کی سائنسی ترقی معاشی آسودہ حالی، جنگی طاقت کو استعمال کر کے عالم اسلام کو فتح کرنے کا کام لیا۔چنانچہ بیسویں صدی کے آغاز سے پہلے

پہلے مغلیہ سلطنت کا نام ونشان نہ رہا ایران بھی برطانوی اقتدار کے سائے تلے دن گزار رہا تھا اور عظیم سلطنت عثمانیہ بھی پہلی جنگ عظیم کے بعد بے پناہ سازشوں اور عیاریوں اور صہیونیت کے روایتی غیر اخلاقی ہتھکنڈوں کے ذریعے ختم کرادی گئی۔

اب دنیا میں مسلمان تو تقریباً چالیس کروڑ تھے مگر کوئی مسلم حکومت نہیں تھی اگر کہیں تھی تو وہ برطانوی حکومت کی پروردہ اور زیر اثر کوئی آزاد مسلم ریاست نہیں تھی۔

اس دوران صہیونیت نے نئی دنیا امریکہ میں اپنے پاؤں مضبوط کئے اور اپنے منصوبے کے مطابق پورے امریکہ میں ایک غیر مرئی قبضہ کر کے تمام حکومتی وسائل کو کنٹرول کرنے میں کامیابی حاصل کرلی۔اس نئے نظام کے اجزاء_____پرانی صہیونی سوچ تھی سیکولر نظام حیات جس سے انسان جانور بن جائے اور صہیونیت اس کو استعمال کر کے اقتدار کے مزے لوٹے۔

1776ءامریکی آزادی کا سال ہے امریکی کرنسی کے ایک ڈالر کے نوٹ پر 1776ء کے ساتھ ORDO NOVO SECLORUM کے الفاظ آج تک چلے آرہے ہیں جس کا مطلب نیو ورلڈ آرڈر تھا جو دراصل جیو (JEW) ورلڈ آرڈر تھا۔اگرچہ مصلحت پرستی کی وجہ سے یہ الفاظ پہلی دفعہ 1990ء کے لگ بھگ سینئر بش (جو امریکی صدر تھے) کی زبان پر آئے۔وگرنہ یہ منصوبہ دو صدیوں سے آگے بڑھایا جا رہا تھا۔

بیسویں صدی میں صہیونیت کو بہت ساری کامیابیاں ملی ہیں جن سے 1917ء کے 'اعلان بالفور' کے ذریعے یہودیوں کا فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت، مئی 1948ء میں اسرائیل کا قیام، 1967ء میں بیت المقدس پر دوبارہ قبضہ_____ستر کی دہائی میں اسرائیل کا ایٹمی طاقت بن جانا اور سازشوں کے ذریعے مشرق میں اسرائیل کا اپنے دشمنوں کو امریکی دباؤ کے ذریعے کمزور اور نہتا کرنا شامل ہے۔

اگرچہ قدرت کی طرف سے اسرائیل کے قیام سے ایک سال پہلے 14 اگست 1947ء نزول قرآن کی شب پاکستان کا معجزانہ قیام صہیونیت کے لئے بہت بڑا دھچکا ہے اور صدمہ ہے جس کو کسی صورت برداشت نہیں کر پا رہا۔پھر 1998ء میں پاکستان کا ایٹمی طاقت بن جانا اس

دھچکا کی شدت کو بڑھا دیتا ہے۔

اب آنے والے دور میں ایک طرف اُمت مسلمہ کے سامنے پاکستان میں خالص اسلامی حکومت کے قیام کے بعد پھیل کر اسلام کا عالمی غلبہ ہے جس کی خبر حضرت محمد ﷺ نے اپنی احادیث مبارکہ میں دی ہے اور جو آپ ﷺ کے آخری نبی ہونے کا منطقی تقاضا بھی ہے۔ اور دوسری طرف اسرائیل کا دنیا پر غلبہ حاصل کر کے عالمی حکومت کے قیام کا منصوبہ ہے؟

یہ ـــــ کشاکش آج کل کس مرحلہ (PHASE) میں ہے اور اس کا آئندہ چند عشروں میں کیا منطقی انجام ہونے والا ہے؟ یہ ان شاء اللہ آئندہ نشست میں تذکرہ کریں گے۔

اشراط الساعة

5-6-7

ثلاث خسوف

قَال النبی ﷺ: اِنَّ السَّاعَةَ لَاتَقُوْمُ حَتّٰی تَکُوْنَ عَشَرَ آیَاتٍ :
......الدُّخَان......وَ الدَّجَّال......وَ الدَّابَّة ......وَ طُلُوْع الشَّمْسِ مِنْ
مَغْرِبِهَا وَثَلَاث خُسُوْفٍ...... خَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ ......وَ خَسْفٌ
بِالْمَغْرِبِ ......وَخَسْفٌ بِجَزِیْرَةِ الْعَرَبِ......وَ نُزُوْل عِیْسٰی علیہ السلام
......وَ فَتْح یَاجُوْجَ وَ مَاجُوْجَ ......وَ نَار تَخْرُجُ مِنْ قَعْرِ عَدْنٍ تَسُوْقُ
النَّاسَ اِلَی الْمَحْشَرِ تَبِیْتُ مَعَھُمْ حَیْثُ بَاتُوْا وَ تَقِیْلُ مَعَھُمْ حَیْثُ قَالُوْا

(مسند احمد عن حذیفة رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ دس نشانیاں ظاہر نہ ہوجائیں۔ دھواں، دجال، دابۃ الارض، مغرب سے سورج کا نکلنا، تین جگہ لوگوں کا زمین میں دھنس جانا: ایک مشرق میں، دوسرا مغرب میں اور تیسرا جزیرہ عرب میں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول، یاجوج ماجوج کا نکلنا اور قعر عدن سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو محشر کی طرف ہانکے گی جہاں لوگ رات کو ٹھہریں گے وہاں وہ ٹھہرے اور جہاں دن کے وقت آرام کریں گے وہاں وہ بھی رک جائے گی۔

علاماتِ قیامت (V،VI،VII)

تین مقامات پر زمین (کے بڑے رقبے) کا دھنس جانا

ایک مشرق میں......ایک مغرب میں......ایک جزیرۃ العرب میں

انجینئر مختار فاروقی

اشراط الساعۃ یعنی علامات قیامت میں بہت اہم اور عوامی سطح پر قابل فہم و ادراک نشانی ـــــــ زمین کا دھنس جانا ہے۔ یہ اپنی نوعیت اور اصل کے اعتبار سے تو یہ ایک ہی نشانی ہے مگر یکے بعد دیگرے ایسے تین واقعات ہوں گے۔ 'زمین کے ایک بڑے رقبے کا اندر دھنس جانا' جیسے واقعات کا تین مختلف علاقوں میں وقوع پذیر ہو جانا ـــــــ اور زمانی اعتبار سے تھوڑے سے وقت کے فرق کے ساتھ واقع ہونا اس نشانی کی اہمیت کو بہت بڑھا دیتا ہے۔

ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی وقت روئے ارضی کے کسی بھی حصے میں ایسا کرنے پر قادر ہیں۔ تاہم فرمانِ رسالت ﷺ میں یہ واقعہ کوئی 'معجزہ' کے طور پر وقوع پذیر نہیں ہوگا ـــــــ بلکہ مرورِ زمانہ کے ساتھ قربِ قیامت میں یہ واقعات رونما ہو جائیں گے۔ اس پس منظر میں ''حسف الارض' کے ان محیر العقول واقعات کے مادّی اسباب تلاش کرنا کوئی عیب نہیں ہے۔

روئے زمین پر قابل ذکر بڑے رقبوں کے زمین میں دھنس جانے کے عمل کو سمجھنے کے لیے ذیل میں درج تفصیلات پر غور فرمائیں۔ قارئین کرام کو اس عمل کی ایک معقول وجہ سمجھ میں آئے گی (ویسے اللہ تعالیٰ قادر مطلق اور فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْد ہیں وہ ہر قسم کے کسی عمل کو اسباب کے بغیر بھی ظاہر کرنے پر اختیار رکھتے ہیں ہمارا یہ ایمان ہے)

ہماری زمین اس نظام شمسی کا ایک حصہ ہے اور ہمارا پورا نظام شمسی اسی وسیع و عریض کائنات میں ایک بڑے صحرا میں ریت کے ایک ذرے کی طرح ہے۔ یہ زمین......ایک فٹ بال

کی طرح ایک کرہ ہے اور اس کا قطر تقریباً 13000 کلومیٹر ہے اور محیط 40,000 کلومیٹر ہے۔

تصویر: نظام شمسی کے سیارے

اس زمین کے 13000 کلومیٹر قطر میں سے ہم صرف سطح زمین کے بارے میں جانتے ہیں کہیں سمندر ہے جس کی گہرائی زیادہ سے زیادہ 13 کلومیٹر ہے (بحرالکاہل کا ایک حصہ) اور کہیں ماؤنٹ ایورسٹ کی چوٹی ہے جس کی اونچائی تقریباً 29 کلومیٹر ہے۔ اس زمین میں کھدائی کرکے تیل کے ذخائر نکالے جارہے ہیں اور گیس کے ذخائر نکالے جارہے ہیں۔ یہ کھدائی زیادہ سے زیادہ 13 کلومیٹر تک ہوئی ہے۔

پٹرول بیسویں صدی (1900ء کے بعد) سے نکالا جارہا ہے اور تجارتی بنیادوں پر ساری دنیا میں سپلائی ہوتا ہے۔ دوسری جنگ عظیم 1945ء کے بعد سے تیل کی پیداوار اور کھپت میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے اور گزشتہ ساٹھ سالوں سے تقریباً 100 لاکھ بیرل تیل روزانہ (اوسط) استعمال ہورہا ہے۔ گیس کے ذخائر اس کے علاوہ ہیں اور تقریباً پٹرول کی طرح ہی گیس بھی روزانہ استعمال ہورہی ہے۔

اب ـــــ ذرا ـــــ حساب کتاب کی طرف توجہ کریں۔ پٹرول ایک مائع ہے اور 100 لاکھ بیرل روزانہ تیل کی پیداوار اور کھپت سے زمین میں ایک خلا ہے جو روزانہ پیدا ہورہا

ہے۔صرف سعودی عرب کی تیل کی پیداوار اندازاً 20لاکھ بیرل روزانہ ہے۔جس کا حجم اتنا بنتا ہے جتنا (پاکستان کے قارئین کے سمجھنے کے لئے)واپڈا ہاؤس بلڈنگ جیسی چار بلڈنگز کا حجم ہوسکتا ہے۔ اتنا وسیع خلا ــــــــــ تیل کے زمین سے نکالے جانے کی وجہ سے روزانہ بن رہا ہے وہ تو قدرت کی طرف سے ایک نظام ہے جس سے سطح زمین پر فوری فرق نہیں پڑتا۔جس شخص نے کھیوڑہ میں نمک کی کان دیکھی ہے اسے اندازہ ہوسکتا ہے کہ کئی صدیوں سے وہاں سے نمک نکالا جارہا ہے زیر زمین اس کان میں داخل ہونے کے بعد اندر 15۔20 کلومیٹر سفر ہے ریلوے کا نظام ہے تب جاکرنئی کھدائی کے پاس پہنچتے ہیں۔آگے کھدائی ہوتی ہے درمیان میں مختلف فاصلے پر ماہرین کے مشورے سے ستون چھوڑ دیے جاتے ہیں تاکہ اوپر (چھت)وزن سے بیٹھ نہ جائے اور کان کنی کا راستہ ہی بند نہ ہوجائے۔

اسی طرح زیر زمین سے پٹرول نکلنے سے صرف سعودی عرب میں گزشتہ ساٹھ سالوں میں روزانہ واپڈا ہاؤس بلڈنگ سے چارگنا بڑا خلا پیدا ہورہا ہے اندازہ لگائیں 60 x 360 = 21600 دن ہیں۔صرف سعودی عرب کے ایک پٹرول کے علاقے میں تقریباً 10000 مربع کلومیٹر کے رقبے میں 200 فٹ موٹائی میں خلا واقع ہوچکا ہے۔اسی طرح کا خلا یقیناً کویت اوراس کے ملحقہ عراق کے تیل کے کنوؤں میں بھی پیدا ہوچکا ہے اوراسی طرح کا خلا یقیناً لیبیا کے علاقہ میں بھی پیدا ہوچکا ہےاورامریکہ اورروس کے علاقوں میں بھی ہوچکا ہے۔

ان علاقوں میں پٹرول نکالے جانے کے یہ مقامات انتہائی خطرناک صورت حال میں ہیں۔خاص طور پر مشرق وسطیٰ کے یہ علاقے۔ یہاں اگرکوئی قدرتی زلزلہ یا مصنوعی ایٹمی دھماکہ یا ایٹم بم گرائے جانے کا واقعہ ہوجائے تو سعودی عرب،عراق اورلیبیا وغیرہ کے تیل کے علاقوں میں لازماً زمین کا قدرتی اندرونی توازن ختم (SHATTER) ہو جائے گا اور ایک وسیع رقبہ 1000 مربع کلومیٹر کے دس علاقے زمین میں دوسوفٹ گہرائی تک دھنس سکتے ہیں۔

سعودی عرب،عراق،کویت،امارات میں ایسے کئی مقامات ہوسکتے ہیں جوخطرہ کی کیفیت میں ہیں اور POTENTIAL DANGER ہیں۔

ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ نے انہیں مقامات میں سے تین مقامات کا ذکر فرمایا ہے

کہ کوئی قدرتی آفت یا انسانی کوششوں کے نتیجے میں مصنوعی صورت حال ایسی ہوجائے گی کہ یہاں مشرق وسطی کے علاقے میں تین مقامات پر بڑے بڑے رقبے زمیں دھنس جائیں گے۔ فرمان رسالت میں تین خسوف کا ذکر ہے۔الفاظ یہ ہیں

......وَ ثَلَاث خُسُوفٍ: خَسُفٌ بِـالْـمَشْـرِقِ وَ خَسُفٌ بِـالْمَغْرِبِ وَ خَسُفٌ بِجَزِيْرَةِ الْعَرَبِ......

......تین جگہ زمین کا دھنس جانا: ایک مشرق میں، دوسرا مغرب میں اور تیسرا جزیرہ عرب میں......

یہ تینوں 'خسوف' چونکہ نوعیت کے اعتبار سے ایک ہی طرح کے تین واقعات ہیں لہٰذ۔۔۔۔۔۔ ہم نے ان تینوں 'اشراط الساعۃ' یعنی علامات قیامت کو ایک ہی تحریر میں جمع کر دیا ہے۔ یہ مقامات اپنی جغرافیائی حیثیت کے مطابق بہت اہم ہیں۔

☆ زمین کے ایک بڑے رقبے کے زمین میں دھنس جانے کا واقعہ مدینۃ النبی ﷺ (یا عرب) کے مشرقی علاقے میں ہوگا اس سے مراد امارات، اور عراق یا ایران کا جنوب مغربی علاقہ بھی ہوسکتا ہے۔

☆ زمین کے ایک بڑے رقبے کے نیچے دھنس جانے کا دوسرا واقعہ مدینہ النبی ﷺ (یا عرب) کے مغرب میں ہوگا اس سے مراد مصر، لیبیا، وغیرہ کے مما لک بھی ہوسکتے ہیں اور امریکہ بھی ہوسکتا ہے۔ واللہ اعلم

☆ زمین کے ایک بڑے رقبے کے نیچے کی طرف دھنس جانے کا تیسرا واقعہ خود جزیرۃ العرب میں ہوگا یہ علاقہ تیل نکالے جانے والا علاقہ ہی ہوسکتا ہے۔

زمین کے دھنس جانے کے یہ تینوں واقعات تو یقینی ہیں اور مشرق وسطی میں سیاسی صورت حال کے پیش نظر۔۔۔۔۔۔ اسرائیل عرب جنگ کے خطرات بھی منڈلا رہے ہیں جس کا خطرہ روز بروز بڑھتا جارہا ہے جس میں اسرائیل کے پاس ایٹمی ہتھیار بھی ہیں جو یقیناً سجا کر رکھنے کے لیے نہیں بنائے گئے بلکہ دشمنوں کی سرکوبی کیلئے بنائے گئے ہیں۔۔۔۔۔۔ بالفاظِ دیگر یہ ایٹمی ہتھیار استعمال بھی ہوں گے اور یقیناً عربوں کے خلاف ہی استعمال ہوں گے ایٹمی ہتھیاروں کے

استعمال سے تیل پیدا کرنیوالے علاقوں میں ایسا دھما کہ ہوگا کہ زمین کا قدرتی اندرونی توازن بگڑ جائے گا اور تیل نکالے جانے کی وجہ سے زمین کا وسیع رقبہ ــــــ بیٹھ جائے گا اور زمین کئی ہزار مربع کلومیٹر کے علاقے میں اندر دھنس جائے گی اور اس سے یقیناً بہت بڑی تباہی بھی پھیلے گی۔

اسرائیل عرب جنگ......اورزمین کے دھنس جانے کے تین واقعات

احادیث میں حکمت نبوی ﷺ کا جوخزانہ پوشیدہ ہے اور قرآن مجید کی وضاحت فرماتے ہوئے وحی خفی اور قرآن مجید کے علاوہ جو وحی آپ ﷺ پر نازل ہوتی رہی اس کی روشنی میں آپ ﷺ نے مستقبل کے کئی رازوں اور اہم واقعات سے پردہ اٹھایا ہے۔آپ ﷺ اپنی ذاتی حیثیت میں بھی بہت ذہین، فطین، باصلاحیت، معاملہ فہم، اشارے سے بات کو پاجانے والے، اصولی ہدایت سے باریک تفاصیل تک اخذ کرلینے والے تھے۔ وحی خفی کا اثبات اس پر مستزاد ہے اور "اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الايمان"(مومن کی فراست سے بچو کہ وہ ایمان کے نور سے دیکھتا ہے) کا فرمان آپ ﷺ کے لیے آپ کی شان کے مطابق ہی ہوگا جس سے آپ کی صلاحیتیں اور قوتیں عام انسانی سوچ سے بہت ماوراء ہیں۔

خسوف کے ان واقعات کو آپ ﷺ نے فتنہ دجال کے دور میں دجال کی کاروائیوں اور حرمین شریفین پر اسرائیل کے مغربی سرپرستوں اور صہیونی کارپردازوں کی دہشت گردی کی کاروائیوں کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ جیسے سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کا واقعہ بھی دجال کے زمانے سے متعلق بتایا ہے۔

وسیع علاقے زمین کے اندر دھنس جانے کے واقعات کو بھی آپ ﷺ نے مغربی اور صہیونی دہشت گردوں کی کاروائیوں کے عرصے کے دوران کے واقعات ارشاد فرمایا ہے۔خسوف کے یہ واقعات فتنہ دجال کے زمانے میں اہل حق کی حمایت، اللہ تعالیٰ کی تائید اور حمایت ونصرت کے طور پر ظاہر ہوں گے۔

اس نکتہ کی وضاحت کے لئے ذیل میں چند احادیث مبارکہ پیش خدمت ہیں:

بخاری شریف کی روایت کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

كانّي به اسود افحج يقلعها حجرا حجرا (بخاری عن ابن عباس رضی اللہ عنہ)

''گویا میں اس سیاہ آدمی کو دیکھ رہا ہوں جو کعبہ کے ایک ایک پتھر کو اکھاڑ پھینکے گا''

يُخَرِّبُ الْكَعْبَةَ ذُوالسُّوَيْقَتَيْنِ مِنُ الْحَبَشَةِ (بخاری۔ابوہریرہ ﷺ)

''کعبہ کو حبشہ کا چھوٹی (پتلی) پنڈلیوں والا ایک شخص خراب کرے گا''

گویا دجال کے دور میں دجالی قوتیں کعبہ پر حملہ آور ہوں گی، حالات ابتر ہو جائیں گے لاقانونیت پھیل جائے گی اور حج موقوف ہو جائے گا۔ اسی طرح مدینۃ النبی ﷺ پر بھی دجال حملہ آور ہوگا۔ اگرچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ میں داخل نہ ہو سکے گا

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَيسَ مِنُ بَلَدٍ إِلَّا سَيَطَؤُهُ الدَّجَّالُ إِلَّا مَكَّةَ وَ الْمَدِينَةَ وَ لَيسَ نَقُبٌ مِنُ أَنْقَابِهَا إِلَّا عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ صَافِّينَ تَحرُسُهَا فَيَنْزِلُ بِالسِّبْخَةِ فَتَرْجُفُ الْمَدِينَةُ ثَلَاثَ رَجَفَاتٍ يَخْرُجُ إِلَيْهِ مِنْهَا كُلُّ كَافِرٍ وَمُنَافِقٍ. (مسلم۔ عن أنس بن مَالك)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی شہر ایسا نہیں ہے جس میں دجال نہ آئے سوائے مکہ اور مدینہ کے اور کوئی راستہ نہیں ہوگا مگر فرشتے اس کے ہر راستے پر صف باندھے کھڑے ہوں گے اور چوکیداری کریں گے۔ پھر دجال (مدینہ کے قریب) سبخۃ مقام پر اترے گا اور مدینہ تین بار کانپے گا (یعنی تین بار اس میں زلزلہ ہوگا) اور جو اس میں کافر یا منافق ہوگا، وہ نکل کر دجال کے پاس چلا جائے گا۔''

یہ اپنی جگہ حقیقت ہے کہ دجالی قوتوں کے خروج کے دور میں مسلمانوں کی حیثیت مقابلہ کی نہیں ہوگی جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے تو وہ اسے اسرائیلی ایربیس لیڈا (لُدّ) کے مقام پر قتل کر دیں گے جس سے یہ فتنہ فرو ہو جائے گا۔ یہ احادیث مبارکہ اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ دست غیب (DIVINE INTERVENTION) سے مسلمانوں کی مدد کی جائے گی اور خسف کے یہ واقعات رونما ہو کر دجالی قوتوں کا منہ پھیر دیں گے۔

تاہم ....دجالی قوتوں کا مکہ اور مدینہ یعنی حرمین شریفین سے رخ موڑنے کے لئے مسلمانوں کے پاس طاقت نہیں ہوگی جیسا کہ اب بھی نہیں ہے۔

(امریکہ کی 3 لاکھ فوج، عرب عراق جنگ 1990ء سے سعودی عرب میں تعینات ہے

اور کرایہ کی فوج ہے جس سے سعودی عرب کے تقریباً 100 ارب ڈالر سے زیادہ سالانہ خرچ ہوتے ہیں۔ یہ فوج صاف ظاہر ہے استحصال کے لیے سعودی عرب میں ہے جب اسرائیل (خود دجال) حملہ کرے گا یا کوئی منصوبہ بنائے گا تو یہ امریکی کرائے کی فوج اس حملہ آور قوت کے خلاف سعودی حکمرانوں یا اس وقت کے حکمرانوں کی کوئی مدد نہیں کرے گی۔ بلکہ یہ فوج تو حرمین پر حملہ آور دجالی قوت کے طور پر موجود ہے کہ حالات خراب ہوں تو اس علاقے پر قبضہ کرلیا جائے۔ یہ بات اپنی جگہ اہم اور نوٹ کرنے کی ہے کہ شاید اس فوج کی چھاؤنیاں اسی علاقے میں واقع ہوں جہاں جزیرۃ العرب میں خسف کا واقعہ ہونے والا ہے۔ واللہ اعلم)

اس پس منظر اور صورت حال میں ہمارے نزدیک خسف الارض کے یہ واقعات جن کا ذکر اشراط الساعۃ کے ضمن میں آیا ہے حرمین شریفین کی حفاظت کرنے والی مسلمان قوت کے حمایت کے لیے آسمانی مدد کے طور پر ظہور پذیر ہوں گے۔ واللہ اعلم

1۔ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ ابْنِ الْقِبْطِيَّةِ قَالَ دَخَلَ الْحَارِثُ بْنُ أَبِي رَبِيعَةَ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ صَفْوَانَ وَأَنَا مَعَهُمَا عَلَى أُمِّ سَلَمَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ فَسَأَلَاهَا عَنِ الْجَيْشِ الَّذِي يُخْسَفُ بِهِ وَ كَانَ ذَلِكَ فِي أَيَّامِ ابْنِ الزُّبَيْرِ فَقَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَعُوذُ عَائِذٌ بِالْبَيْتِ فَيُبْعَثُ إِلَيْهِ بَعْثٌ فَإِذَا كَانُوا بِبَيْدَاءَ مِنَ الْأَرْضِ خُسِفَ بِهِمْ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَكَيْفَ بِمَنْ كَانَ كَارِهًا قَالَ يُخْسَفُ بِهِ مَعَهُمْ وَلَكِنَّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى نِيَّتِهِ۔ قال ابوجعفر: هی بيداء المدينة (صحیح مسلم)

''عبید اللہ بن قبطیہ سے روایت ہے کہ حارث بن ربیعہ اور عبد اللہ بن صفوان دونوں اُمّ المؤمنین اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ انہوں نے اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے اس لشکر کے بارے میں پوچھا جو دھنسایا جائے گا اور یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جب حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مکہ کے حاکم تھے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک پناہ لینے والا خانہ کعبہ کی پناہ لے گا (مراد مہدی رحمہ اللہ ہیں) تو اس کی طرف لشکر بھیجا جائے گا۔ وہ جب ہموار زمین میں پہنچ جائیں گے تو دھنس جائیں گے۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! جس شخص کو زبردستی اس

لشکر میں شامل کر لیا گیا ہو (اس کا کیا حکم ہے)، آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ بھی ان کے ساتھ دھنسا دیا جائے گا لیکن قیامت کے دن اسے اس کی نیت پر اٹھایا جائے گا۔ابوجعفر نے کہا کہ بیداء سے مدینہ مراد ہے۔''

2۔ عن حفصة انها سمعت النبی ﷺ یقول: لیؤُمَّنَّ هٰذا البیت جیش یغزونه حتی اذا کانوا ببیداء من الارض یخسف بأوسطهم و ینادی اولهم آخرهم ثم یخسف بهم فلایبقی الا الشرید الذی یخبر عنهم

''حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اس گھر والوں سے لڑنے کے ارادے سے ایک لشکر چڑھائی کرے گا یہاں تک کہ جب وہ زمین کے ہموار میدان میں ہوں گے تو ان کے درمیانی لشکر کو دھنسا دیا جائے گا اور ان کے آگے والے پیچھے والوں کو پکاریں گے پھر انہیں بھی دھنسا دیا جائے گا ایک آدمی کے سوا جو بھاگ کر ان کے بارے میں اطلاع دے گا کوئی باقی نہیں بچے گا۔''(مسلم)

3۔ عن ام المؤمنین ان رسول الله ﷺ قال: سیعوذ بهٰذا البیت –یعنی کعبة– قوم لیست لهم منعة و لا عدد و لاعدة یبعث الیهم جیش حتی اذا کانوا ببیداء من الارض خسف بهم۔(مسلم)

''حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عنقریب ایک قوم اس گھر یعنی خانہ کعبہ کی پناہ لے گی جن کے پاس کوئی رکاوٹ نہ ہوگی اور نہ آدمیوں کے تعداد ہوگی اور نہ ہی سامان ہوگا ان کے طرف ایک لشکر بھیجا جائے گا جب وہ زمین کے ایک ہموار میدان میں ہوں گے تو انہیں دھنسا دیا جائیگا''

یہ بات یقینی ہے کہ ان واقعات کے وقوع پذیر ہونے سے دجالی قوت کو جو ہزیمت ہوگی وہ عالمی سطح پر اس قوت کیلئے ایک طرح کا واضح SETBACK ہوگا۔مسلمانوں کے حق میں اور حمایت میں رائے عامہ ہموار ہو جائیگی اور اسلام کے عالمی غلبہ کا راستہ ہموار ہو جائے گا۔ان شاءاللہ

خودی اور تخلیق

(تیسرا اور آخری حصہ)

ڈاکٹر محمد رفیع الدین
کی کتاب 'حکمت اقبال' سے ایک باب

قولِ کن کی ممکنات

تخلیق ایک آزادانہ فعل ہے تاہم اپنے مقاصد کا پابند ہے۔ تخلیق کا ارادہ ایک آزادانہ جمالیاتی وجدان (AESTHETIC JUDGEMENT) کا نتیجہ ہوتا ہے۔ لیکن اس ارادہ کی ممکنات اس کے اندر موجود ہوتی ہیں۔ ارادہ کی ممکنات کا پہلے سے موجود ہونا ارادہ کی آزادی میں فرق پیدا نہیں کرتا۔ خدا کے قول کن کے اندر خدا کی تمام صفات اور ربوبیت کی تمام قدرتیں اور قوتیں اور تخلیق کی تمام ممکنات جمع تھیں۔ اس لئے تمام تخلیق قول کن کی ممکنات کا ظہور ہے جو قول کن کے اندر مخفی قوتوں کے عمل سے ممکن ہوا ہے۔ تمام مادی قوانین یعنی مادی اشیاء کی تمام کیفیات اور خاصیات خدا کے قول کن کی ممکنات تھیں جو ظہور پذیر ہوگئی ہیں اگر ان قوانین کی تخلیق کے پیچھے خدا کا ارادۂ تخلیق یا خدا کا جذبۂ محبت یا خدا کی ربوبیت کی قوت کام نہ کرتی تو یہ کبھی وجود میں نہ آسکتے یہی سبب ہے کہ ارتقاء کا عمل ایسا ہے جیسے کہ ایک بیج کا اپنی ممکنات کو ظہور پذیر کرنا اور اسی اظہار سے بالآخر ایک مکمل درخت بن جاتا۔ مکمل درخت بیج کے اندر بالقوہ موجود ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ باہر آتا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ارتقاء کے ہر مرحلہ پر خواہ وہ مادی ہو یا حیاتیاتی یا نفسیاتی زندگی کو جو قوتیں بھی کسی وقت حاصل ہوجاتی ہیں ان ہی قوتوں اور صلاحیتوں کے عمل سے نئی قوتیں اور صلاحیتیں جنم لیتی ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ نئی قوتیں اور صلاحیتیں پرانی قوتوں اور صلاحیتوں کے اندر بالقوہ موجود تھیں۔ مثلاً اگر برقی کائناتی شعاعوں کے اندر جذب اور دفع کے عمل کی وجہ

سے حرکت نہ ہوتی تو ان سے الکٹران اور پروٹان کی برقی گٹھڑیاں پیدا نہ ہوسکتیں اور اگر ان گٹھڑیوں کے اندر باہمی کشش نہ ہوتی تو ان سے مل کر جواہر یا ایٹم تیار نہ ہوتے اور ایک ہی قسم کے جواہر کے اندر باہمی کشش نہ ہوتی تو ان سے سالمات تیار نہ ہوسکتے اور اگر سالمات کے اندر باہمی کشش نہ ہوتی تو ان سے ایک بڑا بنولا تیار نہ ہوتا اور اس کے اندر محوری حرکت پیدا نہ ہوسکتی اور اس حرکت کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے بنولے نہ بنتے اور ہمارا نظام شمسی اور ہماری زمین وجود میں نہ آسکتے۔ اسی طرح سے حیوانی مرحلہ ارتقاء میں ہر حیوان اپنی قوتوں کے عمل سے اور قوتیں پیدا کرتا ہے اور پھر ان نئی قوتوں کے عمل سے اور نئی قوتیں پیدا کرتا ہے یہاں تک کہ انسان ظہور پذیر ہوجاتا ہے۔ تاہم تخلیق کا عمل اپنے کسی مرحلہ میں بھی خداوندی قول کن کے حکم اور زور کے بغیر ایک قدم کے بعد دوسرا قدم نہیں اُٹھا سکتا اور تخلیق کی کسی حالت کو بھی اگلی حالت میں نہیں بدل سکتا اس کی وجہ یہ ہے کہ تخلیق میکانکی اور مادی نہیں بلکہ ارادی اور روحانی ہے اور اپنے ہر قدم پر خدا کے حکم اور آزادانہ ارادۂ تخلیق کا نتیجہ ہے جسے ہم سلسلہ اسلوب کہتے ہیں وہ درحقیقت قول کن کی ممکنات کا سلسلہ ہے اور خالق کے نصب العین کے ماتحت اور خالق کی آزادانہ تخلیق سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔

ارتقاء کے لئے حیوان کی جدوجہد

حیوان کی وہ قوتیں جن کو ہم جبلّتوں کا نام دیتے ہیں جذب اور دفع کی صورت میں ہوتی ہیں اور ان قوتوں کا عمل حیوان کی جدوجہد کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اس جدوجہد کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ حیوان ان چیزوں کو قریب لائے اور حاصل کرے جو اس کی بقا اور نشوونما کے لئے مددومعاون ہوں اور ان چیزوں سے گریز کرے یا راستہ سے ہٹائے جو اس کی بقا اور نشوونما کے لئے مضر اور مخالف ہوں۔ حیوانی مرحلہ ارتقاء میں ایسا ہوتا رہا ہے کہ جب حیوانات اپنے ان مقاصد کے حصول کے لئے جو ان جبلتوں سے پیدا ہوتے تھے، کوشش کرتے تھے تو ان کی جدوجہد خودی کائنات کے ارادہ کی قوت کا آلہ کار بن کر اسے زیادہ سے زیادہ کارفرما ہونے کا موقع دیتی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ان حیوانات کے اندر ایسی نئی قوتیں اور جسمانی کیفیتیں رونما ہوجاتی تھیں جو ان کے مقاصد کے حصول کے لئے ضروری ہوتی تھیں اور اس طرح سے ان کی جدوجہد زندگی کی مخفی صلاحیتوں کو کسی قدر اور آشکار کردیتی تھی اور حیوانات کو ارتقاء کی آخری منزل یعنی مکمل جسم

انسانی سے اس کی تمام معروف قوتوں اور صلاحیتوں کے سمیت قریب تر لے آتی تھی اسی جدوجہد اور کوشش کا نتیجہ ہے کہ پرندوں نے پر پیدا کر لئے اور اُڑنا یا چلنا یا چہچہانا سیکھ گئے اور ہم نے بھی آنکھ، کان، ہاتھ، دانت اور دماغ ایسے پیچیدہ اعضاء یا فکر، تخیل، یاد اور ہوش ایسے مفید قویٰ پیدا کر لئے، دیکھنے کی خواہش نے جو جدوجہد ہم سے کرائی وہی ہماری آنکھ بن گئی اگر کبک میں شوخی رفتار کی تمنا نہ ہوتی تو اسے پاؤں میسر نہ آتے، بلبل گانے کی آرزو نہ کرتا تو منقار نہ پاسکتا۔ ہمارے تمام قویٰ ہماری خواہش اور خواہش کے مطابق جدوجہد کے نتیجہ کے طور پر ظہور پذیر ہوئے ہیں۔

چیست اصل دیدۂ بیدار ما؟ بست صورت لذتِ دیدار ما
کبک پا از شوخیٔ رفتار یافت بلبل از سعیٔ نوا منقار یافت
زندگی مرکب چو درجنگاہ باخت بہر حفظِ خویش ایں آلات ساخت

جذب اور دفع کے مظاہر کا سبب

چونکہ عمل ارتقاء کی قوت محرکہ وہی محبت ہے جو روزِ ازل سے خدا کے ارادۂ تخلیق یا خدا کے قول کن میں مضمر تھی۔ لہٰذا اس قوت کا ایک پہلو محبت ہے اور دوسرا بیزاری۔ کیونکہ خدا کو ہر وہ چیز پسند ہے جو اس کے عمل تخلیق کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے اور ہر وہ چیز ناپسند ہے جو اس کے عمل تخلیق کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی۔ قرآن میں جابجا اس کا ذکر ہے کہ کون سے انسانی اعمال خدا کو پسند نہیں اور کون سے پسند ہیں۔ خدا کے قول کن کی قوت کے یہ دونوں پہلو مادی مرحلہ ارتقاء میں مقناطیسی یا برقی جذب اور دفع کی قوتوں میں اور حیوانی مرحلہ ارتقاء میں میلان اور فرار کی جبلتوں میں نمودار ہوئے تھے اور اب انسانی مرحلہ ارتقاء میں نظریہ کی محبت اور ضد نظریہ کی نفرت کے جذبات کی صورت میں نمودار ہوئے ہیں۔ انسان ہر اس چیز سے محبت کرتا ہے اور اس کو قریب لانے یا اس کے قریب جانے کی کوشش کرتا ہے جو اس کے نصب العین کے لئے ممد و معاون ہو اور ہر اس چیز سے نفرت یا گریز کرتا ہے اور اس کو دور کرنے یا اس سے دور رہنے کی کوشش کرتا ہے جو اس کے نصب العین کی مخالف ہو۔ کوشش یا جدوجہد جس طرح سے حیوانی مرحلہ ارتقاء میں حیاتیاتی ترقی کی کلید تھی۔ اسی طرح سے اب انسانی مرحلہ ارتقاء میں نظریاتی یا نفسیاتی ترقی کی کلید ہے۔

مزاحمت کے خلاف خودی کی جدوجہد

انسان جب اپنے نصب العین کے حصول کے لئے جدوجہد کرتا ہے تو وہ خدا کی عطا کی ہوئی قوت کا اظہار کرتا ہے لیکن یہ قوت فقط ایک ہے اور وہ خدا کے قول کن کی قوت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے عمل سے خدا کے ارادہ یا قول کن کی قوت کو جو حرکت ارتقاء میں کارفرما ہے زیادہ سے زیادہ بروئے کار آنے کا موقع دیتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ قول کن کی ان ممکنات کو جواب اس کی تمنائے حسن یعنی خدا کی محبت کی صورت میں اس کی خودی کے اندر آنکلی ہیں ظہور پذیر کرتا ہے وہ جس قدر زیادہ خدا کی جستجو کرتا ہے اسی قدر زیادہ اپنی بالقوہ صلاحیتوں کو بالفعل یا آشکار کرتا ہے اور اسی قدر زیادہ وہ ذات باری تعالیٰ کی صفات حسن کو جو قول کن کے اندر مضمر ہیں اپنے اندر ظہور پذیر کرتا ہے گویا وہ اپنی جدوجہد سے اگر خدا کی تلاش کرتا ہے تو اپنے آپ کو پاتا ہے اور اگر اپنے آپ کو تلاش کرتا ہے تو خدا کو پاتا ہے۔

ے تلاش او کنی جز خود نہ بینی
تلاش خود کنی جز او نہ یابی

خودی کی مزاحمت کا منبع

کوشش یا جدوجہد کا مطلب یہ ہے کہ خودی یا زندگی ہر قدم پر مزاحمت سے دوچار ہوتی ہے جسے مٹانے کے بغیر وہ آگے نہیں بڑھ سکتی۔ یہ مزاحمت خود زندگی کے اندر سے پیدا ہوتی ہے اور زندگی کے ماضی سے متشکل ہوتی ہے۔ زندگی کا ایک وصف یہ ہے کہ جب وہ ترقی کر کے ایک حالت کو پالیتی ہے تو اس حالت کا ایک پہلو جہاں اگلی حالت کے نمودار کرنے کے لئے ممد و معاون ہوتا ہے وہاں اس کا دوسرا پہلو اس کے نمودار ہونے کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خودی یا زندگی کا خاصہ یہ ہے کہ وہ نہ صرف نت نئی ترقیاں حاصل کرنا چاہتی ہے بلکہ اس غرض کے لیے ان ترقیوں کو بھی محفوظ کرنا چاہتی ہے جنہیں وہ ایک دفع حاصل کر لیتی ہے۔ اگر وہ ماضی کی ترقیوں کو محفوظ نہ کرے تو مستقبل کی ترقیوں کو حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ زندگی کا مستقبل اس کے ماضی کے بنیادوں پر تعمیر پاتا ہے۔ زندگی اپنی تخلیقی قوت کے عمل سے نئی نئی خاصیتیں اور کیفیتیں

نمودار کرتی ہے۔لیکن جونہی کہ زندگی ایک کامیابی حاصل کر لیتی ہے وہ کامیابی مستقل اور خودکار اور غیر مبدل ہو جاتی ہے۔جس کی وجہ سے زندگی اس کی طرف بے پرواہ ہو کر اگلی کامیابیوں کی طرف توجہ کرتی ہے لیکن جب وہ ایسا کرنے لگتی ہے تو جو کامیابیاں وہ حاصل کر چکی ہوتی ہے وہی زندگی کی پست تر سطح سے متعلق ہونے کے باعث اس کی اگلی منزل کے راستہ کی رکاوٹ بن جاتی ہیں۔

حیوانی مرحلہ ارتقا میں خودی کی مزاحمت

مثلاً مادی مرحلہ ارتقاء میں زندگی کی کامیابیاں مادی قوانین کی صورت میں نمودار ہوتی تھیں۔ یہ قوانین مستقل اور خودکار اور غیر مبدل ہیں اس لئے نہیں کہ وہ ہمیشہ ایسے ہی تھے بلکہ اس لئے کہ اب ان کو بدلنے کی ضرورت نہیں رہی۔ وہ ماضی میں عرصہ دراز تک بدل بدل کر اغراض ارتقاء کے لئے بہتر اور بلند تر ہوتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ جب اُنہوں نے ایک ایسی شکل اختیار کر لی جو حیوانی زندگی کے نمودار ہونے کے لئے موزوں تھی تو وہ مستقل اور غیر مبدل بن گئے اور تغیر ان سے اوپر کی سطح زندگی پر نمودار ہو گیا۔حیوانی مرحلہ ارتقاء میں زندگی کو ان ہی مادی قوانین کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا جو اس نے خود ایک مقصد کے ماتحت ظہور پذیر کئے تھے۔حیوانات مجبور تھے کہ ان قوانین کے خلاف جدوجہد کر کے اپنے آپ کو ان کے مخالفانہ عمل کی زد سے محفوظ کریں اور ان کی مزاحمت کے باوجود اپنے لئے خوراک مہیا کریں تا کہ اس طرح سے اپنی اور اپنی نسل کی زندگی کو برقرار رکھ سکیں۔ان کی جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ حیوانات کی جبلتیں مختلف سمتوں میں جو زندگی کی فطرت یا نصب العین کے مطابق یا دوسرے لفظوں میں قول کن کی ممکنات کے مطابق تھیں ارتقاء کرتی رہیں اور اس عمل کے دوران میں بے شمار انواع حیوانات وجود میں آئیں۔ مادی قوانین کی مزاحمت پر فتح پانے کے لئے زندگی نے جو جدوجہد کی اس نے ممکن بنایا کہ زندگی جبلتوں کی صورت میں نئی کامیابیاں حاصل کر سکے۔ یہ جبلتیں مادی قوانین ہی کی طرح زندگی ساتھ ساتھ مستقل اور غیر مبدل اور خودکار ہوتی گئیں۔اس طرح سے حیاتیاتی مرحلہ ارتقاء کے ہر قدم پر زندگی کا ماضی جو اس کی مزاحمت کا موجب بنا۔ مادی قوانین کے علاوہ ان جبلتوں پر بھی مشتمل تھا جو مختلف انواع حیوانات کے اندر وجود میں آ کر مستقل اور غیر مبدل اور خودکار ہو گئی تھیں۔ گویا ہر حیوان اپنی جدوجہد میں نہ صرف مادی قوانین کی مزاحمت کا بلکہ اپنے اور دوسرے

انواع حیوانات کے غیر مبدل جبلتی مقاصد کی مزاحمت کا بھی سامنا کرنے پر مجبور تھا۔اس طرح سے وہ انواع حیوانات کی ایک باہمی عالمگیر اور مسلسل جنگ میں شریک تھا۔ ہر نوع حیوانات کی جدوجہد ایک ایسے کردار کے مطابق سرزد ہوتی تھی جو اس کی جبلتوں کے مقاصد سے معین ہوتا تھا۔

نظریاتی مرحلہ ارتقاء میں خودی کی مزاحمت

نظریاتی یا نفسیاتی مرحلہ ارتقاء میں جواب جاری ہے زندگی نہ صرف مادی قوانین کی مزاحمت کا بلکہ جبلتوں کی مزاحمت کا بھی سامنا کر رہی ہے۔ حالانکہ جبلتیں مادی قوانین کی طرح زندگی نے اپنی حفاظت بقااور ترقی کے لئے پیدا کی تھیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی افراد نہ تو مادی قوانین مثلاً موسمی حالات اور کشش ثقل وغیرہ کی مزاحمت کا مقابلہ کرنے کے بغیر اپنی جبلتی اور حیاتیاتی ضروریات کی تکمیل کر سکتے ہیں اور نہ ہی جبلتی لذتوں کے حد سے بڑھے ہوئے مطالبات کا مقابلہ کرنے کے بغیر اپنی آرزوئے حسن کی (جوان کی تمام فطری خواہشات میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے) تشفی کر سکتے ہیں ان کی اس جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ان کے نظریات جس حد تک کہ وہ قول کن کی ممکنات اور زندگی کی مخفی تمناؤں کے مطابق ہیں۔مختلف سمتوں میں ارتقا کر رہے ہیں اور اس عمل کے دوران میں بے شمار نظریاتی جماعتیں وجود میں آ رہی ہیں نظریاتی ارتقا کے ہر بین مرحلہ پر زندگی کے ماضی میں نا صرف مادی قوانین اور حیوانی جبلتیں شامل ہیں بلکہ نظریاتی جماعتوں کے وہ نظریات بھی شامل ہیں جو اس مرحلہ سے پہلے وجود میں آ چکے تھے۔لہٰذا اس مرحلہ ارتقاء پر ہر نظریاتی جماعت نہ صرف مادی قوانین اور جبلّتوں کی مزاحمت کا سامنا کرتی ہے بلکہ اپنی تمام ہمعصر نظریاتی جماعتوں کے گونا گوں مقاصد کی مزاحمت کا بھی سامنا کرتی ہے ہر نظریاتی جماعت کی جدوجہد ایک ایسے کردار کے مطابق سرزد ہوتی ہے جو اس کے نظریہ کے مقاصد سے متعین ہوتا ہے۔ یہ مقاصد ہر نظریاتی جماعت کے نصب العین حیات میں بالقوہ موجود ہوتے ہیں اور رفتہ رفتہ اس کی زندگی میں آشکار ہو جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ کردار مستقل اور غیر مبدل اور خودکار بن جاتا ہے اور اسی کو ہم نظریاتی جماعت کے قانون یا رسم و رواج کا نام دیتے ہیں۔ اس موقعہ پر اگر نظریاتی جماعت کے بعض افراد کسی اور نظریہ حیات کی محبت میں گرفتار ہو جائیں تو ان کو اس قانون یا رسم و رواج کی قوت کے خلاف جدوجہد کرنا پڑتی ہے تا کہ اس کی

مزاحمت کا خاتمہ کر دیں اگر وہ اس جدوجہد میں کامیاب ہو جائیں تو اس واقعہ کو ایک بابرکت انقلاب کا نام دیا جاتا ہے اور اگر کامیاب نہ ہوں تو اسے ایک خطرناک بغاوت کہا جاتا ہے جسے بروقت دبا دیا گیا ہو۔

رکاوٹ خودی کی کوشش کو زوردار بناتی ہے

زندگی اپنے ماضی کی طرف سے جس مزاحمت کا سامنا کرتی ہے وہ اس کی ترقی یا منزل مقصود کی طرف اس کی رفتار کو کم نہیں کرتی۔ اس کے برعکس چونکہ یہ مزاحمت اس کی کوششوں کو تیز تر کر دیتی ہے وہ اس کی ترقی کی رفتار میں اضافہ کرتی ہے۔ جس طرح سے ایک جوئے کہستان کو جب پہاڑوں کے ایک تنگ درہ میں سے گزرنا پڑتا ہے تو وہ بڑے زور سے بہنے لگتی ہے یہاں تک کہ ان چٹانوں کو جو اس کے راستہ کو دشوار بنا رہی ہوتی ہیں کاٹ کر بہا دیتی ہے۔ اس طرح سے جب زندگی کی رو کسی مزاحمت کا سامنا کرنے کے بعد اسے فنا کرنے کے لئے جدوجہد کر رہی ہو تو اس کی قوت اپنی انتہا پر ہوتی ہے۔ زندگی کسی تھوڑی سی مزاحمت کو بھی خواہ وہ کسی شکل وصورت میں ہو برداشت نہیں کرتی اور اس سے کوئی سمجھوتہ نہیں کرتی۔ اس کے برعکس جب بھی اسے کوئی مزاحمت درپیش آتی ہے خواہ وہ ایک پہاڑ کے برابر ہو تو وہ اپنی ساری قوت کو جمع کر کے اسے نیست ونابود کرنے کی کوشش کرتی ہے اور اس کوشش میں کبھی ناکام نہیں ہوتی خواہ مزاحمت کیسی ہی شدید کیوں نہ ہو۔ زندگی اسے فنا کر کے اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتی ہے۔

رکے جب تو سل چیر دیتی ہے یہ
پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہے یہ

قرآن حکیم نے اس حقیقت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

وَ اللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِهٖ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ

''اور خدا اپنے مقصد پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ اس بات سے بےخبر ہیں''

اگر زندگی کو ایک راہ سے اپنے مقصد میں کامیاب ہونے اور اپنی منزل کی طرف بڑھنے کا موقعہ نہ ملے تو یہ کسی رکاوٹ کا سامنا کرنے والی ندی ہی کی طرح اپنی منزل کی طرف ایک اور کامیاب راستہ نکال لیتی ہے۔ اس کی جدوجہد کا نتیجہ آخر کار یہ ہوتا ہے کہ نہ صرف مزاحمت ختم

ہوجاتی ہے بلکہ اپنے آئندہ جدوجہد کو جاری رکھنے کے لئے وہ خود بھی نئی صلاحیتوں اور قوتوں سے آراستہ ہوجاتی ہے جن کی وجہ سے وہ ارتقاء کی بلند تر سطحوں پر قدم رکھتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اپنی ہی پیدا کی ہوئی مزاحمت کے خلاف جدوجہد کر کے اس پر غالب آنا زندگی کی فطرت کا ایک تقاضا ہے جسے زندگی مطمئن کرنا چاہتی ہے اور یہی سبب ہے کہ وہ اپنے اندر سے خود اپنی مزاحمت پیدا کرتی ہے۔ اقبال بڑی وضاحت کے ساتھ خودی کی اس خصوصیت کا ذکر کرتا ہے۔

ے در جہاں تخم خصومت کاشت است
خویشتن را غیر خود پیداشت است
ے سازد از خود پیکر اغیار را
تا فزاید لذت پیکار را

اوپر کے حقائق کی روشنی میں یہ بات بخوبی سمجھ آجاتی ہے کہ کیوں اقبال اپنی نظم میں جس کا عنوان ''ارتقاء'' ہے ہمیں بتاتا ہے کہ کس طرح سے مشکل پسندی مشکل کشی اور جفا طلبی زندگی کی خصوصیات ہیں کس طرح سے زندگی اپنے راستہ کی رکاوٹوں کو للکارتی ہے اور پھر نہایت دلیری کے ساتھ ان کا مقابلہ کر کے ان کو نیست ونابود کر دیتی ہے۔ کس طرح سے جدوجہد ہی وہ عمل ہے جس کی مدد سے زندگی ارتقاء کے مادی حیاتیاتی اور نظریاتی مرحلوں میں آگے بڑھتی ہے۔ کس طرح سے قوموں کی زندگی اور ترقی کا راز ان کی جدوجہد میں مضمر ہے اور کس طرح بے چینی اور اضطراب کے اس عالم میں مسلمان قوم کی موجودہ جدوجہد کا راز بھی یہی ہے کہ وہ زندہ رہنا اور ترقی کرنا چاہتی ہے۔

حیات شعلہ مزاج و غیور و شور انگیز — سرشت اس کی ہے مشکل کشی جفا طلبی
سکوت شام سے تا نغمہ سحر گاہی — ہزار مرحلہ ہائے فغان نیم شبی
کشاکش زم و گرما تپ و تراش و خراش — ز خاک تیرہ دروں تا بہ شیشہ حلبی
مقام بست و کشاد و فشار و سوز و کشید — میان قطرہ نیساں و آتش عنبی

ے اسی کشاکش پیہم سے زندہ ہیں اقوام
یہی ہے راز تب و تاب ملت عربی

خودی کی تکمیل کے مرحلے

چونکہ ارتقاء کا مقصد فقط انسان کی تکمیل ہے اور انسان کی اصل ایک خودی ہے جو ایک مکمل جسم حیوانی میں مقیم ہوئی ہے اور یہ مکمل جسم حیوانی ایک مکمل مادہ سے بنا ہے ضروری تھا کہ کائناتی خودی کی تخلیقی فعلیت کی تین منزلیں قرار پاتیں جن میں سے پہلی منزل تکمیل مادہ دوسری منزل تکمیل جسم حیوانی اور تیسری منزل تکمیل خودی ہوتی ۔ضروری تھا کہ پہلے اس کیچڑ یا مٹی کی تکمیل کی جاتی جس سے انسان کا جسم بنا ہے۔ مادی ارتقاء کے کروڑوں برس اس مٹی کی تکمیل میں صرف ہوئے اس مرحلہ ارتقاء میں جوئے حیات کی تیز رواں و دیرپا اور کارآمد مادی ذرات یا جواہر کی تعمیر کی سمت میں بہتی رہی جو انسانی جسم کی ساخت اور نشو ونما اور اس کے قیام اور ارتقا کے ساز و سامان کی تیاری کے لئے ضروری تھے۔ ان جواہر کی تعمیر کے دوران میں اور قسم کے بھاری اور پیچیدہ جواہر بھی وجود میں آتے رہے لیکن چونکہ وہ ارتقا کے مقاصد سے مناسبت نہیں رکھتے تھے۔ لہٰذا وہ دیرپا نہ تھے اور ماضی میں ٹوٹ پھوٹ کر فنا ہوتے رہے اور آج تک فنا ہو رہے ہیں۔کیچڑ یا مٹی کے مکمل ہونے کے بعد جب اس سے جسم انسانی کی ابتدائی حالت وجود میں لائی گئی تو ضروری تھا کہ اس کی اور تکمیل کی جاتی یہاں تک کہ وہ اس قابل ہو جاتا کہ اس کے اندر انسان کا جوہر جسے آزاد اور خود مختاری کہا جاتا ہے نمودار ہو جاتا ہے۔ لہٰذا حیاتیاتی ارتقا کے کروڑوں سال انسان کے جسم کی تکمیل میں صرف ہوئے اس مرحلہ ارتقا میں جوئے حیات کی تیز رو انسان کے جسم کی ان ترقی پذیر شکلوں کی تعمیر کی سمت بہتی رہی جو متواتر کامل سے کامل تر بنتی رہیں۔ یہاں تک کہ بالآخر انسان کے مکمل جسم پر ختم ہوئیں۔ اس مرحلہ میں اور قسم کی حیوانی شکلیں بھی انواع حیوانات کی صورت میں ظہور پذیر ہوتی رہیں لیکن چونکہ وہ ارتقا کے مقاصد سے مطابقت نہ رکھتی تھیں۔ لہٰذا وہ اس قابل نہ تھیں کہ زندہ رہ سکتیں۔ وہ ماضی میں فنا ہوتی رہیں اور ان کے فنا ہونے کا عمل اب تک جاری ہے۔جسم انسانی کی تکمیل کے بعد جب اس میں خودی کا جوہر نمودار ہوا تو ضروری تھا کہ اس جوہر کی تکمیل کر کے اسے مکمل کر دیا جاتا تاکہ تخلیق اور ارتقا کا مقصد پورا ہو۔ لہٰذا نظریاتی ارتقا کے لاکھوں برس آج تک تکمیل خودی پر صرف ہو چکے ہیں اور معلوم نہیں کہ اور کتنی مدت اس پر صرف ہوگی۔ اس نظریاتی ارتقاء کے دوران میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ مختلف قسم کی نظریاتی اشکال نظریاتی

جماعتوں کی صورت میں پیدا ہو رہی ہیں جن میں سے اکثر ساتھ ساتھ مٹتی جا رہی ہیں۔ جس سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ ارتقاء کے آخری مقصد یعنی تکمیل انسان کے ساتھ مطابق نہیں رکھتیں۔ اس طرح سے اگرچہ ارتقا کے ان تینوں مرحلوں میں شاخ زندگی سے ہر آن پھول جھڑتے رہے ہیں۔ لیکن نئے پھول نکلتے بھی رہے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ یہ شاخ متواتر اپنے کمال کی طرف نشو ونما پاتی رہی ہے مجموعی طور پر زندگی کے حاصلات نہ کبھی بے نتیجہ ثابت ہوئے ہیں اور نہ بے ثبات۔ علامہ اقبال زندگی کی ان خصوصیات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

گل اس شاخ سے ٹوٹتے بھی رہے
اور اس شاخ سے پھوٹتے بھی رہے
سمجھتے ہیں نادان اسے بے ثبات
اُبھرتا ہے مٹ مٹ کے نقش حیات

ایک پہاڑی ندی سے خودی کی مماثلت

ارتقاء کے مختلف مراحل میں سے زندگی (یعنی قول کن کی قوت) کی نہ رکنے والی مسلسل پیش قدمی کو اقبال ایسی تیز روندی سے تشبیہ دیتا ہے جسے پہاڑوں کے درمیان بہتے ہوئے چٹانوں کی رکاوٹیں پیش آتی ہیں اور وہ دائیں یا بائیں مڑ کر ان سے بچتی ہوئی اور یا پھر انہیں اپنے تیز اور تند بہاؤ کے پھاوڑے سے کاٹتی ہوئی آگے نکل جاتی ہیں۔

وہ جوئے کوہستان اچکتی ہوئی　　اٹکتی لچکتی سرکتی ہوئی
اچھلتی پھسلتی سنبھلتی ہوئی　　بڑے پیچ کھا کر نکلتی ہوئی
رکے جب تو سل چیر دیتی ہے یہ　　پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہے یہ
ذرا دیکھ اے ساقی لالہ فام　　سناتی ہے یہ زندگی کا پیام

☆......☆......☆

دمادم رواں ہے یم زندگی　　ہر اک شے سے پیدا رم زندگی
اسی سے ہوئی ہے بدن کی نمود　　کہ شعلہ میں پوشیدہ ہے موجِ دود
گراں اگرچہ ہے محنت آب و گل　　خوش آئی اسے صحبت آب و گل

اسی کے ہیں کانٹے اسی کے ببول ۔۔۔ اسی کے بیاباں اسی کے ہیں پھول
کہیں اس کی طاقت سے کہسار چور ۔۔۔ کہیں اسکے پھندے میں جبریل وحور
کہیں پر ہے شاہین سیماب رنگ ۔۔۔ لہو سے چکوروں کے آلودہ چنگ

☆......☆......☆

ٹھہرتا نہیں کاروان وجود ۔۔۔ کہ ہر لحظہ تازہ ہے شانِ وجود
سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی ۔۔۔ فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی
بہت اس نے دیکھے ہیں پست و بلند ۔۔۔ سفر اس کو منزل سے بڑھ کر پسند
الجھ کر سلجھنے میں لذت اسے ۔۔۔ تڑپنے پھڑکنے میں راحت اسے
ہوا جب اسے سامنا موت کا ۔۔۔ کٹھن تھا بڑا تھامنا موت کا
اُتر کر جہان مکافات میں ۔۔۔ رہی زندگی موت کی گھات میں
مذاق دوئی سے بنی زوج زوج ۔۔۔ اُٹھی دشت و کہسار سے موج موج

☆......☆......☆

زمانے کے دریا میں بہتی ہوئی ۔۔۔ ستم اس کی موجوں کے سہتی ہوئی
تجسس کی راہیں بدلتی ہوئی ۔۔۔ دمادم نگاہیں بدلتی ہوئی
سبک اس کے ہاتھوں میں سنگ گراں ۔۔۔ پہاڑ اس کی ضربوں سے ریگ رواں
سفر اس کا انجام و آغاز ہے ۔۔۔ یہی اس کی تقویم کا راز ہے

خودی جو روزِ ازل سے اس طرح اپنی پیدا کی ہوئی رکاوٹوں کے ساتھ کشمکش میں مصروف تھی اور مادی اور حیاتیاتی ارتقاء کے طویل اور دشوار گزار راستہ پر آہستہ آہستہ مگر پورے استقلال کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی۔ آخر کار جسم انسانی میں نمودار ہوئی اور اب اس کے ذریعہ سے اپنی ترقی کی آئندہ منزلوں کو طے کر رہی ہے۔

ے ازل سے ہے یہ کشمکش میں اسیر
ہوئی خاک آدم میں صورت پذیر

انسانی خودی کا یعنی خدا کی محبت کے جذبہ کا ظہور

اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان پہلا اور آخری حیوان ہے جو خود شعور ہے یعنی جس کا شعور اپنے آپ سے آگاہ ہے۔ انسان اپنی خود شعوری کی وجہ سے یہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی محبوب ہے جو اس سے بچھڑا ہوا ہے اور جس کے بغیر اس کی زندگی میں ایک بہت بڑا خلا ہے۔ اس خلا کو پر کرنے کے لئے وہ تصورات حسن قائم کرتا ہے اور ان سے محبت کرتا ہے اور اپنی عملی زندگی کو ان کی پیروی کے لئے وقف کرتا ہے لیکن صرف ایک ہی تصور حسن ایسا ہے جو اپنی صفات اور خصوصیات کی وجہ سے اس کی خودی کے تقاضوں سے مطابقت رکھتا ہے اور انہیں پوری طرح سے مطمئن کر سکتا ہے اور وہ خدا کا تصور ہے۔

انسان میں خودی کا اور اس کے ساتھ خدا کی محبت کے جذبہ کا ظہور نوع انسانی کی تکمیل کے اصلی عمل کا نقطہ آغاز ہے۔ اس سے پہلے مادہ کی تکمیل اور اس کے بعد جسم حیوانی کی تکمیل اس عمل کی تیاری کے مرحلے تھے اب خدا کی محبت کا عملی اظہار کرنے سے نوع انسانی اپنے اس حسن یا کمال کو پہنچے گی جو خدا کے قول کن کا مقصود ہے۔ خدا نے جس کے حسن و کمال کی کوئی حد نہیں' انسان کو اپنے حسن اور کمال کی آرزو کے ساتھ اس لئے پیدا کیا ہے تا کہ انسان اس آرزو کی تشفی کر کے خدا کے رنگ میں رنگا جائے اور اس طرح سے اپنے حسن و کمال کو انتہا کو پہنچے۔ ارتقائے کائنات کے جس نقطہ پر انسان میں خودی کا ظہور ہوا وہاں کائناتی خودی نے گویا اپنا راز جو آفرینش کائنات میں مضمر تھا' آشکار کر دیا۔ انسان کے اندر جوہر خودی کے نمودار ہونے کے عظیم الشان واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبال لکھتے ہیں:

> ''یہ گویا کائنات کا اپنے ارتقاء کے ایسے نقطہ پر پہنچ جانا ہے جہاں وہ اپنی راہ نمائی خود کر سکتی ہے اور جہاں حقیقت مطلقہ گویا اپنے راز کو آشکار کر دیتی ہے اور اپنی اصل حقیقت کا سراغ مہم پہنچاتی ہے۔''

انسان میں خودی کے ظہور کا مطلب یہ تھا کہ ایک مشت خاک میں خدا کی محبت زندہ ہو گئی ہے اور دنیا میں پہلی دفعہ حسن کا قدردان اور چاہنے والا پیدا ہوا ہے جو اپنی محبت کی وجہ سے خدا کا رازدار بن سکتا ہے اور کائنات کے رازہائے سربستہ کی پردہ دری کی سکتا ہے۔ سنگ وخشت کی

دنیا تو بے اختیار اور مجبور تھی لیکن اب ایک ایسا وجود ظہور پذیر ہو گیا ہے جو آزاد ہے اور آزادی عمل سے اپنی اصلاح کر کے اپنی شخصیت کی نئی تعمیر کر سکتا ہے۔ خدا کی آرزو یا محبت اپنی حیرت انگیز قوتوں سے بے خبر زندگی کے آغوش میں سوئی پڑی تھی لیکن اب اس نے اپنی آنکھیں کھول لی ہیں اور اب گویا اس کے لئے ایک ایسا دروازہ کھل گیا ہے جہاں سے وہ خدا کے حسن کا مشاہدہ کر سکتی ہے۔ خدا کی آرزو کی اس بیداری سے جہاں دگرگوں ہو گیا ہے اور پوری دنیا ہی بدل گئی ہے۔

نعرہ زد عشق کہ خونیں جگرے پیدا شد   حسن لرزد کہ صاحب نظرے پیدا شد
خبرے رفت زگردوں بہ شبستانِ ازل   حذر اے پردگیاں پردہ درے پیدا شد
فطرت آشفت کہ از خاکِ جہانِ مجبور   خودگرے، خود شکنے، خودنگرے پیدا شد
آرزو بے خبر از خویش بآغوشِ حیات   چشم وا کرد و جہانِ دگرے پیدا شد
زندگی گفت کہ در خاک تپیدم ہمہ عمر   تا ازیں گنبدِ دیرینہ درے پیدا شد

کہاں انسان خاک کا پتلا اور کہاں خالق کائنات خدا جو منتہائے حسن و کمال ہے۔ انسان میں خودی اور خودی کے ساتھ خدا کی محبت کے ظہور کا مدعا کیا ہے۔ عقل اس سوال کا جواب دینے سے قاصر ہے۔

غبارِ راہ کو بخشا گیا ہے ذوقِ جمال
خرد بتا نہیں سکتی کہ مدعا کیا ہے

ربوبیت

قرآن حکیم کی رو سے کائنات کے اندر تدریجی تخلیقی کے عمل کا وجود ایک حقیقت ہے اور اس کا باعث خدا کی ربوبیت ہے قرآن کی سب سے پہلی آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اس حقیقت کا اعلان کرتی ہے۔ امام راغب نے اپنی کتاب ''المفردات'' میں ربوبیت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: هو انشاء الشيء حالاً فحالاً الى حد التمام ''وہ کسی چیز کو ایک حالت سے دوسری حالت تک نشوونما دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنی حالت کمال کو پہنچ جائے'' قرآن کی رو سے خدا ربُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْض آسمانوں اور زمین کا رب ہے اس لئے کہ وہ کائنات کو ایک کل کی حیثیت سے تدریجی ترقی دے رہا ہے اور پھر حدیث کے الفاظ میں خدا (ربّ کُلِّ شَیْءٍ)

ہر چیز کا رب ہے۔ کیونکہ وہ کائنات کی عمومی تربیت اور تکمیل کے سلسلہ میں کائنات کی ہر چیز کی تربیت اور تکمیل کرتا ہے۔ مغرب کے حکماء بھی اپنے مشاہدات کی بنا پر اس حقیقت تک پہنچے ہیں کہ کائنات میں تدریجی تکمیل کا عمل ہوتا رہا ہے اور وہ اس عمل کو ارتقا یا ایوولیوشن کا نام دیتے ہیں۔ تاہم اُنہوں نے اس بات کو آج تک نہیں سمجھا کہ اس کا بنیادی سبب ایک قادرِ مطلق خدا کی تخلیقی فعلیت یا ربوبیت ہے اور اس کی غرض و غایت یہ ہے کہ نوع انسانی اپنے حسن و کمال کی اس انتہا تک پہنچے جو اس کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے۔ اکبر الہ آبادی نے ایوولیوشن کی حقیقت اور اس کو سمجھنے کی اہمیت کو ایک شعر میں بیان کیا ہے۔

ہے ایوولیوشن بس اِک تفسیر رب العالمین!
کاش اس نکتے سے واقف ہوں مسلمان اندنون

ارتقاء

اقبال نے اس بات پر زور دیا ہے کہ قرآن حکیم میں اس نظریہ کی تائید کرتا ہے کہ ارتقاء ایک حقیقت ہے۔ اقبال لکھتا ہے:

''قرآن کی تعلیم اس بات کی مؤید ہے کہ کائنات ارتقاء کر رہی ہے اور بدی پر انسان کی آخری فتح کی اُمید سے پر ہے۔

قرآن کی رو سے انسان کو اختیار ہے کہ چاہے تو کائنات کے مقصد کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر حیات جاوداں سے بہرہ ور ہو جائے۔

اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ یُّتۡرَکَ سُدًی اَلَمۡ یَکُ نُطۡفَۃً مِّنۡ مَّنِیٍّ یُّمۡنٰی ثُمَّ کَانَ عَلَقَۃً فَخَلَقَ فَسَوّٰی فَجَعَلَ مِنۡہُ الزَّوۡجَیۡنِ الذَّکَرَ وَ الۡاُنۡثٰی اَلَیۡسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یُّحۡیِیَ الۡمَوۡتٰی

''کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ بے کار سمجھ کر چھوڑ دیا جائے گا۔ کیا وہ پیٹ میں پڑے ہوئے منی کے ایک قطرہ سے بنا ہوا نطفہ نہیں تھا پھر وہ جما ہوا خون بن گیا پھر خدا نے اسے بنایا اور درست کیا اور اس سے نر اور مادہ کا جوڑا پیدا کیا۔ کیا یہ خدا مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں''

یہ نہایت ہی غیر اغلب ہے کہ ایک وجود جس کے ارتقاء پر لاکھوں برس صرف آئے ہوں بے کار سمجھ کر پھینک دیا جائے۔لیکن انسان فقط ایک ارتقاء کرتی ہوئی شخصیت کی حیثیت سے ہی کائنات کے مقصد کے ساتھ مطابقت پیدا کرتا ہے۔''

انسان کا اوّلین ظہور

آگے چل کر اقبال لکھتا ہے:

''انسان کا اولین ظہور کس طرح سے ہوا۔سب سے پہلے جاحظ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ حیوان کی زندگی کی نقل مکان اور ماحول سے تغیر پیدا ہوتا ہے۔اخوان الصفا نے جاحظ کے خیالات کی مزید توضیح اور تشریح کی۔تاہم ابن مسکویہ پہلا اسلامی مفکر گزرا ہے جس نے انسان کے اولین ظہور کا واضح اور بعض پہلوؤں سے کلیتاً جدید نظریہ پیش کیا۔یہ بالکل قدرتی بات تھی اور روح قرآن کے بالکل مطابق تھی کہ رومی حیات بعدالممات کے مسئلہ کو زندگی کے ارتقاء کا مسئلہ سمجھتا تھا،اس کے نزدیک یہ کوئی ایسا عقیدہ نہیں تھا جسے ہم خالص مابعدالطبیعیاتی قسم کے دلائل سے حل کر سکتے ہوں جیسا کہ بعض حکمائے اسلام نے سمجھا تھا۔تاہم ارتقاء کا نظریہ دورِ حاضر کے لئے اُمید اور ولولہ نہیں بلکہ مایوسی اور پریشانی کو ساتھ لے کر آیا ہے اس کا سبب دورِ حاضر کے اس بے بنیاد مفروضہ کے اندر پایا جاسکتا ہے کہ انسان کی موجودہ حیاتیاتی اور نفسیاتی کیفیت یا حالت ارتقائے حیات کی آخری منزل ہے اور موت زندگی کی ایک واردت کی حیثیت سے کوئی تعمیری اہمیت نہیں رکھتی۔اس دور کے انسان کو ایک رومی کی ضرورت ہے جو اس کے دل میں اُمید پیدا کر سکے اور زندگی کے جوش و ولولہ کی آگ بھڑکا سکے۔''

''ریاضیات کی ترقی کے ساتھ ساتھ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام میں ارتقاء کا تصور بھی آہستہ آہستہ تعمیر پاتا رہا ہے۔جاحظ پہلا شخص ہے جس نے اس بات کی طرف توجہ کی کہ ایک مقام سے دوسرے مقام کو سفر کر جانے سے پرندوں کے اندر جسمانی تغیرات رونما ہوجاتے ہیں اس کے بعد ابن مسکویہ نے جو البیرونی کا ہم عصر تھا اس

خیال کو ایک واضح نظریہ کی شکل دی اور اپنی مذہبی کتاب ''الفوز الاصغر'' میں اسے استعمال کیا۔ میں یہاں اس کے ارتقائی نظریہ کا اختصار پیش کرتا ہوں۔ اس کی علمی حیثیت کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف اس لئے کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کا فکر کس سمت میں حرکت کر رہا تھا۔ ابن مسکویہ کا خیال ہے کہ ارتقاء کے سب سے نچلے درجہ میں پودوں کو پیدا ہونے اور نشو ونما پانے کے لئے کسی بیج کی حاجت نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ نوع کو بیج کے ذریعہ سے قائم رکھتے ہیں۔ اس قسم کے پودے جمادات سے صرف اس لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں کہ ان میں کس قدر حرکت کی قوت ہوتی ہے جو بلند درجہ کی نباتات میں اور ترقی کر جاتی ہے اور اپنا مزید اظہار اس طرح سے کرتی ہے کہ پودا اپنی شاخیں پھیلا دیتا ہے اور اپنی نوع کو بیج کے ذریعہ سے قائم رکھتا ہے۔ پھر حرکت کی قوت رفتہ رفتہ ترقی کرتی ہے یہاں تک کہ ہم ایسے درختوں تک پہنچ جاتے ہیں جن کا تنا اور پتے اور پھل ہوتے ہیں۔ ارتقاء کے ایک بلند تر درجہ پر نباتاتی زندگی کی اشکال اس قسم کی ہوتی ہیں کہ ان کو اپنی نشو ونما کے لئے بہتر زمین اور آب وہوا کی ضرورت ہوتی ہے۔ ارتقاء کے آخری درجہ میں انگور کی بیل اور کھجور کا درخت آتے ہیں جو گویا حیوانی زندگی کے دروازہ پر کھڑے ہیں۔ کھجور کے درخت میں جنسی امتیاز واضح طور پر نمودار ہو جاتا ہے، جڑوں اور ریشوں کے علاوہ اس میں ایک ایسی چیز بھی پیدا ہو جاتی ہے جو حیوان کے دماغ کی طرح کام کرتی ہے اور جس کی سلامتی پر کھجور کے درخت کی زندگی کا انحصار ہوتا ہے یہ نباتاتی زندگی کے ارتقاء کا بلند ترین مقام ہے، جس کے بعد حیوانی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ حیوانی زندگی کی طرف پہلا قدم زمین میں گڑ جانے سے آزادی ہے، جو آزادی حرکت کا پیش خیمہ ہے۔ یہ حیوانی زندگی کا اولین درجہ ہے جس میں چھونے کی حس سب سے پہلے اور دیکھنے کی قوت سب سے آخر میں نمودار ہوتی ہے۔ حسوں کے ارتقاء سے حیوان حرکت کی آزادی حاصل کرتا ہے جیسا کہ کیڑوں مکوڑوں رینگنے والے جانوروں چیونٹیوں اور شہد کی مکھیوں کی صورت میں ہوتا ہے۔ چوپایوں کی حیوانی

زندگی گھوڑے میں اور پرندوں کی حیوانی زندگی باز میں اپنے کمال پر پہنچتی ہے اور آخرکار بندر میں جو ارتقاء کی سیڑھی پر حضرت انسان سے صرف ایک قدم پیچھے ہے' انسانیت کی سرحدوں تک جا پہنچتی ہے۔ بعد کا ارتقاء ایسے حیاتیاتی تغیرات پیدا کرتا ہے جس کے نتیجہ کے طور پر عقلی اور روحانی قوتیں بڑھتی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ انسانیت بربریت سے نکل کر تہذیب کے میدان میں قدم رکھ لیتی ہے۔''

''اس طرح سے اسلامی فکر کے تمام خطوط کائنات کے حرکی یا ارتقائی تصور پر مرتکز ہو جاتے ہیں۔ اس نظریہ کو ابن مسکویہ کے اس تصور سے کہ زندگی ایک ارتقائی حرکت ہے اور ابن خلدون کے نظریہ تاریخ سے اور تقویت ملتی ہے۔''

قصہ آدم علیہ السلام کی تشریح

قرآن حکیم میں آدم علیہ السلام کا قصہ لفظاً جس طرح سے بیان کیا گیا ہے اس کا ایک حصہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو خدا نے مٹی سے بنایا اور فرشتوں کو کہا کہ جب میں اسے بنا سنوار کر مکمل کرلوں اور اپنی روح اس میں پھونک دوں تو تم اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑنا۔ آدم علیہ السلام کو جنت میں آزادی سے رہنے کی اجازت دی گئی۔ لیکن ایک خاص درخت کا پھل کھانے سے منع کر دیا گیا آخرکار جنت میں آدم علیہ السلام نے خدا کی نافرمانی کی اور شجر ممنوعہ کا پھل کھالیا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور اس کی بیوی حضرت حوا سلام علیہا کو سزا کے طور پر جنت سے نکال کر زمین پر ڈال دیا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر زمین پر انسان کا ظہور ایک نہایت ہی طویل تدریجی اور ترتیبی عمل سے ہوا ہے جیسا کہ نظریۂ ارتقاء کی رو سے تسلیم کرنا ضروری ہے تو پھر قرآنی قصہ آدم علیہ السلام کی جو بظاہر زمین پر انسان کے اولین ظہور سے تعلق رکھتا ہے، توجیہ کیا ہے؟ لہٰذا اقبال قصہ آدم علیہ السلام کے متعلق لکھتا ہے:

''اس قصہ میں قرآن پرانے استعارات کو کسی حد تک قائم رکھتا ہے۔ لیکن قصہ کے معتدبہ حصہ کو بدل دیا گیا ہے تاکہ اس کو بالکل نئے معنی پہنا دیے جائیں۔ قصوں کو نئے معنی پہنانے اور ان کو زمانہ کی ترقی یافتہ روح کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کے لئے کلی یا جزوی طور پر بدلنے کا قرآنی دستور ایک نہایت ہی اہم نکتہ ہے جسے اسلام کا

مطالعہ کرنے والے مسلموں اور غیر مسلموں نے ہمیشہ ہی نظر انداز کیا ہے۔ ان قصوں کو بیان کرنے سے قرآن کا مقصد شاذ ہی تاریخی ہوتا ہے بلکہ اس کا مقصد قریباً ہمیشہ ہی یہ ہوتا ہے کہ ان کو ایک ہمہ گیر اخلاقیاتی یا حکیماتی مطلب پہنایا جائے اور قرآن اس مقصد کو اس طرح سے حاصل کرتا ہے کہ ایسے افراد یا مقامات کا نام حذف کر دیتا ہے جو کہانی کو ایک مخصوص تاریخی واقعہ کا رنگ دے کر اس کے معنی کو محدود کر دینے کا امکان رکھتے ہوں اور نیز ان تفصیلات کو بھی حذف کر دیتا ہے جو بظاہر احساسات کی ایک مختلف سطح سے تعلق رکھتے ہوں۔ قصوں کا اس قسم کا استعمال کوئی نئی بات نہیں۔ غیر مذہبی لٹریچر میں یہ عام ہے اس کی مثال فاوسٹ (FAUST) کی کہانی ہے جسے گیٹے (GAETTE) کی عبقریت نے ایک بالکل ہی نیا مطلب پہنا دیا ہے۔''

اس کے بعد اقبال ہبوط آدم علیہ السلام کے قصہ پر مفصل بحث کرتا ہے اور بحث کے بعد ذیل کے نتیجہ پر پہنچتا ہے:

''اس طرح سے یہ بات آشکار ہو جاتی ہے کہ ہبوط آدم علیہ السلام کا قرآنی قصہ اس کرۂ ارض پر انسان کے اولین ظہور سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اس کے برعکس اس کا مطلب یہ بتانا ہے کہ کس طرح سے انسان ایک ابتدائی حالت سے جو جبلتی خواہشات کے زیر فرمان ہوتی ہے ترقی کر کے اس حالت میں قدم رکھتا ہے جہاں اسے ایک ایسی آزاد شخصیت کی شعوری ملکیت حاصل ہوتی ہے جو شک اور نافرمانی بھی کر سکتی ہے۔ ہبوط آدم کا مطلب کوئی اخلاقی گراوٹ نہیں بلکہ وہ انسان کا معمولی شعور کی حالت سے گزرنے کے بعد خود شعوری کی اولین جھلک کا دیکھنا ہے اور پابند قدرت اور مجبور زندگی کے خواب سے بیدار ہونے کے بعد خود اپنی ذات کے اندر افعال اور واقعات کا علل و اسباب کی دھڑکن کو محسوس کرنا ہے۔''

انسانی تخلیق کی خصوصیات

جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں اقبال کا خیال یہ ہے کہ اگر انسان اپنی خودی اوصاف و

خواص پر نگاہ ڈالے تو وہ ''اسرارِازل''، یعنی تخلیق کائنات کے اسرار و رموز کو جان سکتا ہے۔

ع اسرارِازل جوئی بر خود نظرے وا کن

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم انسانی تخلیق کی خصوصیات کا مشاہدہ اور مطالعہ کریں تو ان کی روشنی میں ہم خدا کی تخلیق اور کائنات کے عمل ارتقاء کی خصوصیات کو بھی سمجھ سکتے ہیں۔ جب کوئی کمہار پانی میں گوندھی ہوئی چکنی مٹی کی چکوندی کو اپنے گھومتے ہوئے چاک پر رکھ کر ہمارے سامنے اپنے ہاتھوں سے مٹی کا ایک برتن بناتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی تخلیقی فعلیت ذیل کے خواص کو ظاہر کرتی ہے۔

1۔ برتن کی تخلیق کی ایک ابتداء ہے اور ایک انتہا۔

2۔ برتن اپنی ابتداء سے لے کر اپنی انتہا تک متواتر اپنے کمال کی طرف آگے بڑھتا ہے اور ابتداء اور انتہا کے درمیان بہت سے ضمنی مرحلوں میں سے گزرتا ہے۔

3۔ اپنی ابتداء سے لے کر انتہا تک برتن کی پیہم ترقی کا باعث کمہار کا ایک واحد مقصد یا نصب العین ہے جس کی وجہ سے اس کی تخلیق ایک واحد غیر منقسم اور مسلسل فعل بن جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ برتن کی ہر حالت اس کی گزشتہ حالت کی ارتقائی تبدیلی سے رونما ہوتی ہے۔

4۔ برتن کی تخلیق کا مدعا کمہار کے اس نصب العین کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ ایک مکمل اور خوبصورت برتن بنایا جائے۔ لہٰذا اس کا مدعا حسن و کمال کی جستجو ہے۔

5۔ برتن کے ارتقاء کے ہر مرحلہ پر کمہار کی فعلیت کا مقصد یہ ہے کہ اس کے سارے ماضی کا جو حاصل اس کے سامنے ہے اسے ایک خاص سمت میں بدل دیا جائے تاکہ وہ اس کے نصب العین کے قریب آجائے برتن کے ارتقاء کے کسی مرحلہ پر بھی کمہار کے تخلیقی فعلیت کا مقصد یہ نہیں کہ وہ کوئی چیز پیدا کر دے جو اس کی گزشتہ فعلیت کے نتیجہ کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھتی ہو بلکہ اسے کالعدم کر کے یا نظر انداز کر کے اپنی جگہ بناتی ہو۔

6۔ اگر برتن اپنے ارتقاء کے کسی مرحلہ پر وہ صورت اختیار نہ کرے جو اس نے کی ہے تو وہ اپنے ارتقا کے اگلے مرحلہ میں داخل نہیں ہو سکتا اس کے ارتقا کا ہر مرحلہ پچھلے مرحلہ سے پیدا ہوتا ہے اور اس کے ماضی کا ارتقا اس کے مستقبل کے ارتقاء کی بنیاد بنتا ہے اس کے باوجود اس کا مستقبل اس

کے ماضی سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ کمہار کی قوت ارادی سے پیدا ہوتا ہے۔

7۔ کمہار کا مخفی اندرونی مقصد اس کی تخلیق کی آشکار خارجی صورت میں ظہور پاتا ہے اور جوں جوں اس کی تخلیقی فعلیت آگے بڑھتی جاتی ہے اس کا یہ مخفی اندرونی مقصد بھی زیادہ واضح اور آشکار ہوتا جاتا ہے اور کسی نکتہ رس دیکھنے والے کے لئے یہ بتانا زیادہ آسان ہو جاتا ہے کہ وہ درحقیقت کیا ہے اور آخر کار خارج میں کس طرح ظہور پذیر ہوگا۔

خدا کی تخلیق کی خصوصیات

ضروری ہے کہ کائنات کی تخلیق بھی یہی خصوصیات رکھتی ہو لہٰذا کائنات کے بارہ میں ہمارے ذیل کے نتائج درست ہوں گے:

1۔ کائنات کی ایک ابتداء تھی اور بالآخر اس کی ایک انتہا ہوگی۔

2۔ کائنات اپنی ابتداء سے اپنی انتہا کی طرف متواتر آگے بڑھ رہی ہے اور اپنی ابتداء اور انتہا کے درمیان بہت سے درمیانی مرحلوں سے گزر رہی ہے۔

3۔ ابتداء سے لے کر انتہاء تک کائنات کے ارتقا کا باعث کائناتی خودی کا ایک واحد مقصد یا نصب العین ہے جس کی وجہ سے اس کی تخلیق ابتداء سے لے کر انتہا تک ایک واحد غیر منقسم اور مسلسل فعل بن جاتی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کائنات کی ہر حالت اس کی گزشتہ حالت کی ارتقائی تبدیلی سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔

4۔ کائنات کی تخلیق کا مدعا کائناتی خودی کے اس نصب العین کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ ایک مکمل اور خوبصورت کائنات (یعنی حسن و کمال کی انتہا پر پہنچی ہوئی نوع انسانی) وجود میں آئے گویا اس کا مدعا منتہائے کمال کی تخلیق ہے۔

5۔ کائنات کے ارتقاء کے ہر مرحلہ پر کائناتی خودی کی فعلیت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کے سارے ماضی کا جو حاصل اس کے سامنے ہے اسے ایک خاص سمت میں بدل دیا جائے تاکہ وہ اس کے نصب العین اور اپنے کمال کے اور قریب آجائے۔ کائنات کے ارتقاء کے کسی مرحلہ پر بھی کائناتی خودی کا مقصد یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ کوئی نئی چیز پیدا کرے جو اس کی گزشتہ تخلیقی فعلیت کے نتیجہ کے ساتھ کوئی علاقہ نہ رکھتی ہو اور اسے کالعدم یا نظر انداز کر کے اپنی جگہ بناتی ہو۔

6۔ اگر کائنات اپنے ارتقاء کے کسی مرحلہ پر وہ صورت اختیار نہ کرے جو اس نے کی ہے تو وہ اپنے ارتقاء کے اگلے مرحلہ میں داخل نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کے ارتقاء کے ہر حالت اس کی گزشتہ حالت سے پیدا ہوتی ہے اور اس کے ماضی کا ارتقاء اس کے مستقبل کے ارتقاء کی بنیاد بنتا ہے اس کے باوجود اس کا مستقبل اس کے ماضی سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ کائناتی خودی کی قوت ارادی سے پیدا ہوتا ہے۔

7۔ کائناتی خودی کا مخفی اندرونی مقصد اس کی تخلیق کی آشکار خارجی صورت میں ظہور پذیر ہو رہا ہے اور جوں جوں اس کی تخلیقی فعلیت آگے بڑھتی جا رہی ہے اس کا یہ مخفی اندرونی مقصد بھی زیادہ واضح اور زیادہ آشکار ہوتا جا رہا ہے اور کسی نکتہ رس دیکھنے والے کے لئے یہ بتانا زیادہ آسان ہوتا جا رہا ہے کہ وہ مقصد درحقیقت کیا ہے اور آخر کار خارج میں کس طرح سے ظہور پذیر ہوگا۔

اقبال نے خالق اور مخلوق کی حیثیت سے خدا اور انسان کے باہمی تعلق کو سمجھانے کے لئے ایک انسانی مصور اور تصویر کی مثال دی ہے۔ تصویر مصور سے کہتی ہے کہ میرے وجود کا دارومدار تیرے ہنر پر ہے لیکن یہ انصاف نہیں کہ تو میری نظروں سے اوجھل رہے۔

کہا تصویر نے تصویرگر سے نمائش ہے میری تیرے ہنر سے
و لیکن کس قدر نامنصفی ہے کہ تو پوشیدہ ہو میری نظر سے

مصور جواب دیتا ہے کہ تیرے لئے تو یہی اچھا ہے کہ تو خبر پر قناعت کرے۔ نظر (یعنی حسن کا ذاتی مشاہدہ اور احساس جسے محبت یا عشق کہتے ہیں) درد و غم کا باعث ہوتی ہے۔ جب تک عشق پیدا نہ ہو قلب روشن نہیں ہوتا اور جہاں بینی کی استعداد حاصل نہیں ہوتی۔ جب تک جگر خون نہ ہو جائے چشم دل میں نظر پیدا نہیں ہوتی۔ لہٰذا نظر کا نتیجہ ہے محبوب کے عشق میں جلنا اور جل کر مر جانا۔ شرر کو دیکھو کہ وہ محبت کے سوز سے روشن ہوتا ہے اور اپنے نور سے جہاں کو دیکھتا ہے لیکن اسی جہاں بینی کی وجہ سے ایک لمحہ میں جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔

گراں ہے چشم بینا دیدہ ور پر جہاں بینی ہے کیا گزری شرر پر
نظر درد و غم و سوز و تب و تاب تو اے نادان قناعت کر خبر پر

لیکن تصویر خبر پر قناعت نہیں کرتی اور مصور کو جواب دیتی ہے کہ خبر عقل و خرد کی بے چارگی سے

سوائے اور کچھ نہیں۔ نظر دل کے لئے حیات جاوداں ہے۔ اس زمانہ کی تگ و دو نے ہر مشکل کو آسان کر دیا ہے۔ لہٰذا اس زمانہ میں یہ کہنا کہ میں تجھے دیکھ نہیں سکتی ایک ایسا عذر ہے جو وقت کے تقاضوں کے مطابق نہیں۔

خبر عقل و خرد کی ناتوانی　　نظر دل کی حیات جاودانی
نہیں ہے اس زمانہ کی تگ و تاز　　سزاوار حدیث لن ترانی

پھر مصور یہ جواب دے کر اس گفتگو کو ختم کر دیتا ہے کہ میرے دیدار کی شرط یہ ہے کہ تو اپنی نظر سے پنہاں نہ ہو چونکہ تو میرے کمالات ہنر میں سے ہے۔ تیرا اپنے آپ کو دیکھ لینا ہی مجھے دیکھ لینا ہے۔ لہٰذا مجھ سے ناامید ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

تو ہے میرے کمالات ہنر سے　　نہ ہو نومید اپنے نقش گر سے
مرے دیدار کی ہے ایک یہی شرط　　کہ تو پنہاں نہ ہو اپنی نظر سے

ظاہر ہے کہ اس نظم میں مصور خدا سے اور تصویر انسان سے استعارہ ہے۔ اقبال کا مطلب یہ ہے کہ اگر انسان اپنے آپ کو پہچان لے تو وہ خدا کو پہچان لیتا ہے۔ یہ وہی مضمون ہے جو اقبال نے ایک شعر میں یوں بیان کیا ہے:

اگر خواہی خدا را فاش بینی　　خودی را فاش تر دیدن بیاموز

تخلیق کائنات کا ہر قدم خدا کے قول کن کا نتیجہ ہے

یہ حقیقت کہ کائناتی خودی ہماری نظروں سے مخفی ہے کائنات کی ارتقائی حرکت یا کائناتی خودی کی تخلیقی فعلیت کے لئے کوئی فرق پیدا نہیں کرتی خودی انسان کی ہو یا خدا کی وہ اپنی تخلیق میں ہمیشہ ایک پراسرار مخفی اور غیر مرئی قوت کی حیثیت سے کام کرتی ہے کائناتی خودی کے مخفی ہونے کی وجہ سے ہمیں یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ کائنات کی ہر حالت اس کی گزشتہ حالت کا نتیجہ اور آئندہ حالت کا سبب ہے حالانکہ گزشتہ حالت آئندہ حالت کا سبب نہیں ہوتی بلکہ صرف وقت میں اس سے پہلے آتی ہے اور اس کے ساتھ پڑی ہوئی ہوتی ہے۔ بغیر اس کے کہ اس پر ذرہ بھر اثر انداز ہو رہی ہو۔ دراصل کائنات کی ہر نئی حالت کا ظہور کائناتی خودی کی قوت ارادی اور قوت تخلیق کا نتیجہ ہوتی ہے چونکہ ہم کائنات کی کسی حالت کے بدلنے والی قوت کا نظارہ ان آنکھوں سے نہیں کر سکتے اور چونکہ

کائنات کی ہر حالت کے اندر نئی حالت کو پیدا کرنے کے اسباب مخفی ہوتے ہیں۔یعنی اس کے اندر ایسی خاصیتیں اور صلاحیتیں پوشیدہ ہوتی ہیں کہ اگر کسی قادرِ مطلق کا حکم وجود میں ہو تو وہ اس نئی حالت میں بدل جائے جس میں وہ فی الواقع بدل جاتی ہے۔

ہم غلطی سے خود اس حالت کو ہی بدلنے والی قوت سمجھنے لگ جاتے ہیں۔کائنات کی کوئی حالت اپنی خاصیتوں اور صلاحیتوں کے باوجود اس وقت تک کسی نئی حالت میں نہیں بدل سکتی جب تک کہ خدا کا حکم یا قول کن صادر نہ ہو اور اس کی تخلیقی قوت اور قدرت اس کو بدلنے کے لئے بروئے کار نہ آئے۔اقبال اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید   کہ آرہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

ہر چہ مے بینی ز اسرارِ خودیست   خفتہ در ہر ذرہ یزدئے خودی یست

اقبال کا نظریۂ ارتقاء خودی کی فطرت سے ماخوذ ہے

ان حقائق کی روشنی میں یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ اگرچہ سائنس کا فیصلہ یہ ہے کہ ارتقاء ایک حقیقت ہے اور یہ فیصلہ دنیا کے علمی حلقوں میں قبول کرلیا گیا ہے۔تاہم اقبال سائنس کے اس فیصلہ کی بنا پر یا رائج الوقت تصورات کی کشش کی وجہ سے ارتقا کا قائل نہیں۔اقبال کا نظریہ ارتقا نہ تو متحجرات (FOSSILS) کی دریافت پر موقوف ہے اور نہ ہی کسی سائنس دان کے نظریۂ ارتقا کی غیر معلوم کڑیوں کی کامیاب جستجو پر مبنی ہے بلکہ اس کا نظریۂ ارتقاء خودی کی فطرت اور اس کے اوصاف وخواص کے علم سے ماخوذ ہے۔یہ حقیقت کہ سائنس بھی اس نظریۂ کی تائید کر رہی ہے اس کی صحت اور صداقت کا مزید ثبوت ہے کیونکہ ضروری ہے کہ ہر سچی فلسفیانہ حقیقت بشرطیکہ وہ فی الواقع سچی ہو زود یا بدیر سائنس سے بھی تائید مزید حاصل کرے۔

اگر بالفرض سائنس دان کل کو ایسے جدید حقائق سے آشنا ہو جائیں جن کی بنا پر وہ نظریۂ ارتقاء سے انکار کرنے پر مجبور ہوں تو پھر بھی اقبال کا یہ نتیجہ کہ ارتقاء ایک حقیقت ہے اور اس کا سبب خالق کائنات کی ربوبیت ہے اپنی جگہ پر قائم رہے اور زود یا بدیر سائنس دانوں کو یہ مان کر اس کی طرف لوٹنا پڑے گا کہ اُنھوں نے جدید حقائق کا مطلب غلط سمجھا تھا پھر اقبال کے نظریۂ ارتقاء میں یہ بات بھی داخل نہیں جیسا کہ ڈارون اور کئی حکمائے ارتقا نے سمجھا ہے کہ آدمی بندر یا کسی اور نچلے

درجہ کے غیر انسانی حیوان کی اولاد ہے جو اب زندہ ہے یا پہلے زندہ رہ چکا ہے اقبال کے نظریۂ ارتقاء کے اندر یہ بات مضمر ہے کہ انسان اپنے ارتقاء کی ہر منزل پر انسان ہی سے پیدا ہوا ہے یعنی انسان کی ہر بلند تر حالت انسان ہی کی پست تر حالت سے پیدا ہوئی ہے اور کسی غیر انسانی حیوانی سے پیدا نہیں ہوئی اس کی مثال انسانی جنین کی نشو ونما ہے۔ایک فرد کی حیثیت سے انسان ہی کی حالت ہوتی ہے۔ایک نوع کی حیثیت سے بھی اگر چہ انسان اپنی ترقی کی مختلف حالتوں میں گزرتا ہے۔تاہم انسانی جنین کی ہر حالت کی طرف ان حالتوں میں سے بھی کسی حالت میں وہ سوائے انسان اور کچھ نہیں ہوتا۔

ماہرین حیاتیات کا اعتراف

آج دنیا بھر میں چوٹی کے ماہرین حیات جن میں ایک جولین ہکسلے (JULIAN HUXLEY) ہے اگر چہ عمل ارتقاء کی مادی اور لادینی توجیہ کرتے ہیں۔تاہم وہ اپنے ماہرانہ مشاہدات کی بنا پر اس نتیجہ سے گریز نہیں کر سکے کہ عمل ارتقا کا حاصل انسان ہے اور آئندہ کا ارتقا بھی انسان ہی کے ذریعہ سے ہوگا۔نظریات اور اقدار کی محبت انسان کا ایسا امتیاز ہے جو کسی حیوان میں موجود نہیں لہٰذا آئندہ کا ارتقاء نظریاتی ہوگا اور اس بات پر موقوف ہوگا کہ انسان اپنی محبت نظریات واقدار کو کس حد تک مطمئن کرتا ہے علمی ارتقاء کا سب سے اعلیٰ اور عمدہ نتیجہ ترقی یافتہ انسانی شخصیت ہے۔انسانی ارتقاء نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ ان گہرے معنوں میں بے مثال ہے کہ وہ ایک ہی راستہ ہے جو انسان کی ضروری خصوصیات کو پیدا کر سکتا تھا۔حیاتیاتی نقطہ نظر سے یہ ناممکن ہے کہ ارتقائے حیوانات کا کوئی اور راستہ آگے جا کسی ایسے حیوان کو پیدا کر سکے جو انسان سے بہتر اور بلند تر ہو۔

جولین ہکسلے (JULIAN HUXLEY) اپنی کتاب ''انسان دنیائے جدید میں'' (MAN IN THE MODERN WORLD) میں لکھتا ہے۔

''عمل تخلیق کا سب سے اعلیٰ اور عمدہ نتیجہ ترقی یافتہ انسانی شخصیت ہے۔''

''انسان کے وجود میں آنے کے بعد ارتقاء کی نوعیت یکا یک بدل جاتی ہے۔
انسانی شعور کے ساتھ اقدار اور نظریات پہلی دفعہ زمین پر ظہور پذیر ہوئے۔لہٰذا

مزید ارتقاء کا معیار یہ ہے کہ یہ نظریاتی اقدار کس حد تک مطمئن ہوتی ہیں۔''

''بظاہر حیاتیاتی نقطہ نظر سے یہ بات ناممکن ہے کہ ارتقائے حیوانات کا کوئی اور راستہ آگے جا کر ایک نئے اعلیٰ اور ارفع جسم حیوانی تک جا پہنچے۔

''انسانی ارتقاء کا راستہ بھی ایسا ہی بے مثال تھا جیسا کہ اس کا نتیجہ یہ ان معمولی معنوں میں بے مثال نہیں تھا کہ وہ دوسرے تمام حیوانات کے راستوں سے مختلف تھا بلکہ ان عمیق معنوں میں بے مثال تھا کہ وہ ایک ہی ایسا راستہ تھا جو انسان کی ضروری خصوصیات کو پیدا کر سکتا تھا۔''

اس کا مطلب صاف طور پر یہ ہے کہ ارتقاء کا مقصد صرف ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان کو پیدا کر کے اس کی شخصیت کو نقطہ کمال پر پہنچایا جائے۔ گویا ماہرین حیاتیات کے ان نتائج سے بھی حضرت انسان کے بارہ میں اقبال کے اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ

ے ضمیر کن فکاں غیر از تو کس نیست
نشان بے نشان غیر از تو کس نیست

مدیر کے نام

1۔ ضمیر اختر خان

حکمت بالغہ کا خصوصی شمارہ ''حقوق نسواں نمبر'' موصول ہوا۔ ماشاء اللہ، جس باقاعدگی سے مجلّہ ہر ماہ کے آغاز میں آپ قارئین کو مہیا کرتے ہیں، اس پر دل کی گہرائیوں سے آپ کے لیے دعائیں نکلتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و سلامتی کے ساتھ اس کارِ خیر کو جاری و ساری رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ امین۔ موجودہ اشاعت بھی گزشتہ خصوصی اشاعتوں کی طرح معنوی و صوری خوبیوں سے مزین ہے۔ ان شاء اللہ اپنے موضوع کی اہمیت وضرورت کے اعتبار سے اس خصوصی شمارے کو اہل علم و دانش خراج تحسین پیش کریں گے۔ حقوق چاہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہوں یا اس کے بندوں کے، سب کی ادائیگی کا بہترین ذریعہ دین اسلام ہے جس میں نہایت توازن کے ساتھ تمام حقوق کی ادائیگی کا تعین کردیا گیا ہے۔ اس پر کما حقہ عمل درآمد دور خلافت راشدہ میں ہوا اور چشم فلک نے دیکھا کہ زمین والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے کتنا عمدہ نظام عطا فرمایا ہے اور اگر اس پر عمل کیا جائے تو انسانیت کے جملہ مسائل کس طرح حل ہوتے ہیں۔ دورِ حاضر کی بدقسمتی ہے کہ وہ نظام عدل وقسط کہیں قائم نہیں جس میں حقوق وفرائض کے تعین کے ساتھ ساتھ ان کی ادائیگی کا پورا لائحہ عمل موجود ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اپنی زندگیوں کا مقصد اولین اسلام کے عادنہ نظام کو قائم کرنا سمجھیں اور اس راہ میں جو مشکلات آئیں انہیں خندہ پیشانی سے برداشت کریں تا کہ اللہ کا وعدہ، کہ وہ اہل ایمان کو زمین میں خلافت عطا کرے گا، پورا ہو۔ آپ نے ''حرف آرزو'' میں بجا طور پر مسلمان خواتین کو مشورہ دیا ہے کہ وہ اپنے

مردوں کو نظام خلافت کے قیام کی جدوجہد کے لیے فارغ کریں۔ میری بھی اپنی بہنوں سے گزارش ہوگی کہ وہ حکمت بالغہ کے **"حقوق نسواں نمبر"** کو حاصل کر کے زیادہ سے زیادہ خواتین میں پھیلائیں۔ خود بھی حقوق نسواں کے حوالے سے اپنے قلب و ذہن کو مطمئن کریں کہ جو حقوق اللہ و رسول ﷺ نے انہیں عطا فرمائے ہیں وہی ان کی نسوانیت کے محافظ ہیں۔ مزید براں اپنے گھروں کو ازواج مطہرات، بنات رسول ﷺ اور صحابیات رضی اللہ عنہن اجمعین کے اسوۂ مبارکہ کی پیروی میں اس طرح سے ترتیب دیں کہ دور حاضر کے فتنے، جن میں نت نئے فیشن، غیر ضروری گھریلو آرائش کا ساز و سامان، نام نہاد معیارات زندگی (Living Standards) اور دوسروں کی دیکھا دیکھی بہت سے کام کرنا، مسلمان گھرانوں میں گھسنے نہ پائیں۔ نظام خلافت کے قیام کے لیے آپ نے مختصر مگر جامع انداز میں خواتین کے کردار کو نمایاں کیا ہے جو ان شاء اللہ مسلمان خواتین کو جذبۂ عمل سے سرشار کرنے کے ساتھ ساتھ ان میں یک گونہ اعتماد بھی پیدا کرے گا۔ میری ناچیز رائے میں حقوق نسواں نمبر خواتین کے تعلیمی اداروں میں پہنچانے کا بندوبست کیا جائے۔ کیا عجب کہ اس سے خواتین میں اسلام کے عطا کردہ حقوق کے بارے میں وسیع پیمانے پر آگاہی پیدا ہو جائے اور وہ اپنے رب عزوجل کے دیے ہوئے حقوق کی بازیابی کے لیے کمربستہ ہو جائیں اور اپنے دائرۂ اختیار میں رہتے ہوئے اپنا کردار ادا کریں۔ آپ نے بالکل درست لکھا ہے (صفحہ 103) کہ خواتین اسلام کے سامنے بھی فلاح و نجات اخروی ان کا اصل ہدف ہونا چاہیے اس لیے کہ بحیثیت انسان وہ بھی اللہ کے ہاں اپنے اعمال کی اسی طرح جواب دہ ہیں جس طرح کہ مرد ہیں اور اللہ کا بھی وعدہ ہے کہ انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثیٰ۔ (ال عمران: 195) "میں (اللہ) کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا، چاہے وہ مرد ہو یا کہ عورت"۔ لہٰذا جس طرح نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ ایک مسلمان عورت پر فرض ہے بالکل اسی طرح قیام نظام عدل و قسط کیلئے اپنے محرم مردوں کے شانہ بشانہ جدوجہد بھی فرض ہے۔ اگر آج مغربی تہذیب کی دلدادہ خواتین مغرب کی بے خدا تہذیب کو ترقی دینے اور اسے اپنے ہاں رائج کرنے کیلئے کوشاں ہیں جو کہ بالکل غلط اور شیطان کا ایجنڈا ہے تو مسلمان خواتین خدائی نظام کو برپا کرنے میں اپنا کردار کیوں نہ ادا کریں۔ اس کیلئے انہیں اپنے دینی علم کو بہتر کرنا ہوگا۔ حکمت بالغہ کا

حقوق نسواں نمبران شاءاللہ ہماری مسلمان بہنوں کے لیے Hand Book کا کام دے گا۔

مجلّے کی تہذیب وترتیب بھی نہایت عمدگی سے کی گئی ہے جس پر آپ اور آپ کے رفقاء کار مبارک باد کے مستحق ہیں۔ مواد بھی معیاری ہے اور مروجہ تحقیق کے عین مطابق ہے۔ کوئی صاحب علم جدید اسالیب واصول تحقیق کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر حقوق نسواں نمبر کو ازسرنو ترتیب دے دیں تو یہ کسی بھی یونیورسٹی کے تحقیقی رسالے کا مقابلہ کرسکتا ہے۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اس مساعی جمیلہ کو اپنے دربار عالی میں قبول ومنظور فرمائے اور دنیا آخرت کی کامیابی کا ذریعہ بنائے۔ امین یارب العلمین۔

2۔ ظہور الحسن قادری۔ کمالیہ

اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو عمر خضری عطا فرمائے۔ آمین۔ ماہِ ستمبر کا شمارہ ’حکمت بالغہ‘ موصول ہوا۔ حرفِ آرزو کا مطالعہ کیا، آپ نے پاکستانی نمک کے خواص اور فوائد اور غیر ملکی امپورٹڈ نمک استعمال کرنے والوں کی نفسیات، کردار پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور اس کے استعمال کرنے کے قومی اور معاشرتی نقصانات کا احاطہ کیا۔ اسلام کی تعلیمات فطری ہیں اور ان پر عمل کرنے والے بھی دنیاوی طور پر اور اخروی زندگی میں کامیاب ہوں گے۔ اسی طرح جو لوگ اپنے علاقے، اپنے ہی ملک کی اشیاء کا استعمال کرتے ہیں وہ جسمانی طور پر اور ذہنی طور پر صحت مند ہوتے ہیں اور غیر ملکی اشیاء استعمال کرنے والوں کے عادات، کردار بھی بدل جاتے ہیں۔ کہتے ہیں ہر چیز کا ردّ عمل ہوتا ہے۔ نمک ایک روزمرہ استعمال کی چیز ہے اس کے بغیر کھانے میں لذت ہی نہیں ہوتی۔ کھیوڑہ کا نمک پاکستان کا نمک ہے۔ پاکستان عطیہ خداوندی ہے، اہل ایمان کے لیے انعام الٰہی ہے۔ اس کے اندر پائے جانے والے ذخائر کے اندر بھی پاکیزگی اور طہارت ہے۔ لہٰذا جو پاکستان کا قدرتی نمک استعمال کرے گا اس کی سوچ، اس کی فکر پاکستانی ہوگی وہ محبّ وطن ہوگا، وہ اس پاکستان سے پیار کرے گا، وہ استعمار کا ایجنٹ بن کر ہرگز اس کے نقصان کا کبھی نہیں سوچے گا اور جو لوگ غیر ملکی نمک استعمال کریں گے ان کی سوچ اور فکر میں غیر ملکی نظریات ہوں گے، ان کی بود و باش، لباس، معاشرتی اقدار غیر مسلموں کے مشابہ ہوں گی۔ آپ نے

معاشرے میں بگاڑ کی اصل وجہ کی نشان دہی کی ہے۔اس کے تدارک کی ایک ہی صورت ہے کہ پاکستان میں غیر ملکی نمک استعمال کرنے پر پابندی لگوائی جائے۔نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

اداریہ کے اختتام پر آپ نے پاکستان کی حقیقی روحانی اساس کی نشان دہی کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ملک عزیز ہمیں 27 رمضان المبارک برکتوں والی رات لیلۃ القدر میں عطا فرمایا تھا، یہ لیلۃ القدر نزولِ قرآن کی بھی رات ہے یوں ربّ کائنات نے پاکستان اور قرآن کا تعلق آسمانوں پر جوڑ دیا تھا۔ایک صاحب نظر سے ایک پریشان حال نوجوان نے سوال کیا۔پاکستان کے حالات خراب ہوگئے ہیں۔فرمایا: پاکستان کے حالات خراب نہیں ہوئے، خود پاکستانی خراب ہوگئے ہیں۔اوراس خرابی کی وجہ غیر ملکی نمک کا استعمال ہے جس نے اشرافیہ کی ذہنیت خراب کردی ہے۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں پاکستان کا نمک ہی استعمال کرنے کی توفیق دے۔

3۔ قیصر جمال فیاضی 941۔جہانگیر آباد، شیخوپورہ

حکمت بالغہ الحمدللہ باقاعدگی سے مل بھی رہا ہےاوراس کے مضامین ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔صہیونیت والے مضامین بالقسط اور علامات قیامت بہت اچھے آنکھیں کھول دینے والے مضامین ہیں۔خودی اور تخلیق جیسے مضامین بہت دقیق ہیں اور سمجھ میں ذرا مشکل سے آتے ہیں۔ جس طرح سید قاسم محمود (مرحوم) نے ندائے خلافت میں علامہ اقبال کی ایک نظم اوراس کی تشریح (حالانکہ وہ بھی بہت مختصر ہوتی تھی) کا سلسلہ شروع کیا تھا، میری خواہش ہے کہ آپ بھی علامہ اقبال کی شاعری کو حکمت بالغہ کے ذریعے باقاعدہ پڑھانا شروع کریں جس طرح حکمت قرآن میں عربی لغت کے ذریعے باقاعدہ تشریح کی جارہی ہے، میں چاہتا ہوں کہ ہمارے بچے علامہ اقبال کی شاعری کی باقاعدہ تدریس حاصل کریں، فارسی کے چند بنیادی اسباق اور پھر خاص طور پر فارسی نظموں کی لفظی تراکیب معانی اور پھر تشریح کا سلسلہ ضرور شروع کریں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے رفقاء کی ٹیم کی مساعی کو قبول فرمائے، آپ کے لئے آخرت کا توشہ بنائے۔جزاك الله خيرا فاحسن الجزاء

قربِ قیامت میں عذابِ الٰہی کے نزول کی بعض علامات

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

((اِذَا فَعَلَتْ أُمَّتِیْ خَمسَ عَشَرَ خَصْلَةً حَلَّ بِهَا الْبَلَاءُ)) فَقِیْلَ وَ مَا هُنَّ؟ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: ((إِذَا كَانَ الْمَغْنَمُ دُوَلًا وَ الْاَمَانَةُ مَغْنَمًا وَ الزَّكَاةُ مَغْرَمًا وَ أَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهٗ وَ عَقَّ أُمَّهٗ وَ بَرَّ صَدِیْقَهٗ وَ جَفَا أَبَاهُ وَ ارْتَفَعَتِ الْأَصْوَاتُ فِی الْمَسَاجِدِ وَ كَانَ زَعِیْمُ الْقَوْمِ اَرْذَلَهُمْ وَ اُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهٖ وَ شُرِبَتِ الْخُمُوْرُ وَ لُبِسَ الْحَرِیْرُ وَ اتُّخِذَتِ الْقَیْنَاتُ وَ الْمَعَازِفُ وَ لَعَنَ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ أَوَّلَهَا فَلْیَرْتَقِبُوْا عِنْدَ ذَالِكَ رِیْحًا حَمْرَاءَ أَوْ خَسْفًا وَ مَسْخًا))

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب میری امت میں پندرہ خصلتیں آ جائیں گی تو ان پر مصیبتیں نازل ہوں گی۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: جب مالِ غنیمت ذاتی دولت بن جائے گی، امانت کو لوگ مالِ غنیمت سمجھنے لگیں گے، زکوٰۃ کو جرمانہ سمجھا جائے گا، آدمی بیوی کی اطاعت اور ماں کی نافرمانی کرے گا، دوستوں کے ساتھ بھلائی اور باپ کے ساتھ زیادتی کرے گا، مسجد میں لوگ زور زور سے باتیں کریں گے، ذلیل قسم کے لوگ حکمران بن جائیں گے، کسی شخص کی عزت اس کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے کی جائے گی، شرابیں پی جائیں گی، ریشمی کپڑا پہنا جائے گا، گانے بجانے والی لونڈیاں اور گانے کا سامان گھروں میں رکھا جائے گا اور امت کے آخری لوگ پہلوں پر لعن طعن کریں گے؛ پس اس وقت لوگ عذاب کے منتظر رہیں یا تو سرخ آندھیاں یا زمین میں دھنسنے یا پھر چہرے مسخ ہوجانے والا عذاب۔''

(رواہ الترمذی عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ)

انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

کے قیام کا مقصد

منبع ایمان......اور......سرچشمۂ یقین

قرآنِ حکیم کے علم وحکمت کی

وسیع پیمانے پر......اور......اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر واشاعت ہے

تاکہ اُمتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں

تجدیدِ ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور شاید اس طرح رسالتِ محمدی ﷺ کی منطقی انتہاء یعنی

اسلام کی نشأۃِ ثانیہ......اور......غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وما النصر الا من عندالله (القرآن)